تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

قرآنی حقائق بیان کرنے والا

تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجلّہ

ماہنامہ الفرقان ربوہ

"مذاہبِ عالم پر نظر"

مئی - جون ۱۹۶۱ء

ایڈیٹر
ابوالعطاء جالندھری

حضرت امام الزمان کا پیغام

---:---

احاط الناس من طغوی ظلام * علامات بها عرف الامام
فلا تعجب بما جئنا بنور * بدت عین اذا اشتد الاوام

ترجمہ ۔ لوگوں کی سرکشی کے باعث ان پر تاریکی چھا گئی ہے * یہی نشانات ہیں جن سے امام کو شناخت کیا جا سکتا ہے * جو نور ہم لائے ہیں اس پر تعجب مت کرو * کیونکہ عین شدت پیاس کے وقت چشمہ ظاہر ہؤا ہے ۔ (المسیح الموعود)

اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے قانون میں انسانی خیالات کیوجہ سے کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔ منکرین ہزار چاہیں کہ خدا کا برگزیدہ مبعوث نہ ہو، اسے کامیابی اور کامرانی حاصل نہ ہو ۔ مگر ازلی نوشتہ , کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ، کے مطابق ایسا ضرور ہو گا ۔ اور خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی ۔

اس آخری دور میں ساری قومیں ایک عظیم موعود کی منتظر تھیں ۔ مسلمانوں کے سارے فرقے اس موعود کے ظہور کے متعلق ایک تصور اور تخیل رکھتے تھے ۔ عقلا یہ سارے متضاد تخیلات درست نہیں ہو سکتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا کیا لا یسئل عما یفعل و هم یسئلون ۔ ہمارے ایمان اور اعتقاد کے مطابق بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہی آسمانی پیشگوئیوں کے مصداق موعودعالم ہیں ۔ آپ کی ہدایت کو قبول کرنا سب کا فرض ہے ۔ اسی مضمون کو ہمارے فاضل مقالہ نگار مولانا سمیع اللہ صاحب آف بمبئی نے ,,فلسفۂ امامت ،، کا موضوع بنایا ہے اور اسکے متعلقہ حصہ پر کامیابی سے بحث کی ہے ۔ یہ مضمون اس رسالہ کا خاص مضمون ہے قارئین کرام اس سے ضرور لطف اندوز ہوں گے ۔

ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں حضور کا ایک ارشاد درج کرتے ہیں فرمایا:-

,, ایها الناس کنتم تنتظرون المسیح فاظهره الله کیف شاء ، فاسلموا الوجوه لربکم و لا تتبعوا الاهواء ، انکم لا تحلون الصید و انتم حرم فکیف تحلون آراءکم و عندکم حکم ، و ان الحکم لرحمة نزلت للمؤمنین ، و لو لا الحکم لما زالوا مختلفین . ظهر المهدی عند غلبة الضالین ، و سمع دعاء اهدنا بعد مئین ، و تم ما قال ربکم فی الفاتحة و الفرقان المبین ،،

(الهدی ص ۸۹—۹۰)

بقیہ صفحہ د پر دیکھئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

اے بے خبر! بہ خدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

(حضرت مسیح موعودؑ)

تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجلہ

الفرقان

فلسفۂ امامت نمبر

یعنی

مذاہبِ عالم پر نظر

جلد ۱۱ — شمارہ ۵/۶

مئی، جون ۱۹۶۱ء

بدل اشتراک	ایڈیٹر	تاریخِ اشاعت
پاکستان و بھارت:- چھ روپے دیگر ممالک:- بارہ شلنگ	ابو العطاء جالندھری	ہر انگریزی مہینہ کی دس تاریخ مقرر ہے

قیمت پرچہ ہذا ایک روپیہ چار آنہ صرف

ماہنامہ
الفرقان ربوہ

جلد ۱۱
شمارہ ۵/۶

مئی، جون ۱۹۶۱ء ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ

مندرجات

فہرست مضامین فلسفہ امامت

از جناب مولوی سمیع اللہ صاحب فاضل بمبئی

الفرقان ایک ہزار لائبریریوں میں

مقررہ پروگرام کے مطابق تبلیغی رسالہ الفرقان ایک ہزار لائبریریوں میں جاری کرنے کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہمارے نوجوان دوست شیخ عبد الحمید صاحب "آغاز کارپوریشن" ڈھاکہ نے دس لائبریریوں کیلئے چندہ ارسال فرمایا ہے جس سے دس لائبریریوں میں رسالہ جاری ہو گیا ہے۔ آپ بھی اس کارِ خیر میں حصہ لے کر ثواب حاصل فرما دیں۔ رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے۔ جو احباب لائبریریوں کے پتے ارسال فرما دیں گے ان کا بھی شکریہ۔

ابو العطاء جالندھری
ایڈیٹر الفرقان۔ ربوہ

۲۹ ۵/۶۱

اداریہ

"جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزّت پائیں گے"

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک ایمان افروز اعلان

محترم صدرِ پاکستان کا مسلمانوں کو بروقت انتباہ

(۱)

آج سے نصف صدی پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایمان پرور اعلان میں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی ساری بیماریوں کا علاج قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ قرآن مجید روحانی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ آپ کے کلمات طیبات درج ذیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزّت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اَور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۹)

افسوس ہے کہ عام مسلمانوں نے اس محبت بھرے پیغام پر کان نہ دھرے اور مسیحائے زمان کی اِس آواز کے شنوا نہ ہوئے

اسلئے ان کی حالت خراب ہوتی گئی مگر صداقت بہرحال صداقت ہے۔ لوگوں کی بے اتفاقی سے صداقت کے صداقت ہونے میں شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

—— (۲) ——

صدر پاکستان جناب محمد ایوب خان اپنے سینہ میں مسلمانوں کے لئے ایک دردمند دل رکھتے ہیں آپ نے اپنے عید الاضحی ۱۳۸۰ھ کے تازہ ترین پیغام میں فرمایا ہے:۔

(الف) "جہاں تک اسلام کے اصولوں کا تعلق ہے، اسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگرچہ قرآن شریف تبرک کے طور پر پڑھا اور پڑھایا تو ضرور جاتا ہے لیکن اس کو سمجھنے کی زیادہ کوشش نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے عقائد اور عمل میں ایک بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی ہے۔"

(ب) "اگر ہمارے ایمان اور عمل میں تضاد پیدا ہوتا گیا تو یہ شدید خطرہ ہے کہ پاکستان کا وجود بھی کھوکھلا ہو کر منتشر ہونے لگے گا۔ چنانچہ اگر روحانی اور اخلاقی مقاصد کے لئے نہیں تو کم از کم اپنی قومی بقا اور سلامتی کے لئے ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھیں اور اس پر سچائی اور خلوص سے عمل کریں۔ اسلام کا دامن مضبوطی سے تھامنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں، اس کی حکمت اور احکام پر غور کریں اور پھر اپنے نئے اور پُرانے علم کی روشنی میں وہ راستے تلاش کریں جن پر چل کر ہم آجکل کی دنیا میں ہر لحاظ سے اچھے مسلمان اور اچھے انسان بن کر رہ سکیں۔" (نوائے وقت ۲۶ مئی ۱۹۶۱ء)

یہ بیانات نہایت صاف ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان پر پوری توجہ دیں اور قرآن مجید پر تدبر کر کے صحیح عقائد اور حقیقی اعمال کے پابند ہوں۔ یہی کامیابی کی کلید اور یہی ترقی کا راستہ ہے۔

—— (۳) ——

ہمارا یقین ہے کہ اگر مسلمان قرآن مجید کے رُو سے اپنے تمام تنازعات کو حل کرنا چاہیں تو وہ فی الفور اتحاد کی سلک میں منسلک ہو سکتے ہیں اور ان کے جملہ اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور وہ اسلام کی سچی خدمت کرنے کے اہل بن سکتے ہیں۔ ہم بطور مثال حضرت مسیح علیہ السلام کی جسمانی زندگی کے مسئلہ کو پیش کرتے ہیں۔ ہر پاکستانی مسلمان جانتا ہے کہ اس عقیدہ کی وجہ سے عیسائی پادری کس قدر ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کس طرح فرزندانِ اسلام کو مرتد بنا رہے ہیں مگر مسلمان علماء قرآن مجید پر تدبر نہ کرنے کے باعث اپنی اس ضد پر قائم ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خاکی جسم کے ساتھ تینتیس ۳۳ سال کے جوان کے جوان بغیر کھائے پیئے آج تک آسمان پر زندہ

ہیں۔ حالانکہ بات نہایت واضح تھی۔ قرآن مجید کی **تیس آیات** سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کر دی تھی۔ خیر اس پہ ایک زمانہ بیت گیا اور ہمارے ملک کے علماء یونہی اس بحث میں پڑے رہے اور عیسائی پادریوں کو مسلمانوں کے گمراہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ چلئے جو ہو گیا سو ہو گیا اب آج بتایا جائے کہ پاکستانی مسلمانوں کو اس غلط عقیدہ کے ترک کرنے اور وفاتِ مسیح کے عقیدہ کو اپنانے میں کیا عذر ہے جبکہ جامع ازہر کے **شیخ الاسلام** اور مصر کے سب سے بڑے مفتی علامہ محمود شلتوت نے یہ فتوے ازہر یونیورسٹی کی طرف سے شائع کر دیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح وفات پا گئے ہیں اور زندہ نہیں ہیں۔ ہمیں بتایا جائے کہ اب ہمارے بھائیوں کو اس بات کے ماننے میں کیا عذر ہے ؟ (اس موضوع پر علامہ شلتوت کے تفصیلی حوالہ جات ہم گزشتہ اشاعت میں درج کر چکے ہیں) یہ مسئلہ بطور مثال ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ **حقیقت** یہ ہے کہ اگر آج مسلمان عقائد اور اعمال کے لئے قرآن پاک کو **بنیاد** اور **معیار** قرار دے لیں اور تدبر سے کام لیں تو ان میں فوراً اتحاد ہو سکتا ہے اور مسلمانوں کو ترقی، عروج اور دنیوی سربلندی کے علاوہ روحانی زندگی کی شادابی سے بھی حصۂ وافر مل سکتا ہے۔ پس ہم صدرِ پاکستان کی تجویز کی صمیم قلب سے تائید کرتے ہیں اور مسلمانانِ پاکستان کو اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے پُر زور توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق بخشے، آمین ❊

شذرات

پیغام صلح کی حیرت انگیز دیدہ دلیری

جناب مولوی صدرالدین صاحب امیر غیر مبائعین نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

"نبی کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس نے **اعتقادات کی تعلیم** بھی جبرائیل سے پائی ہو۔ حضرت مجدد الزمان نے جس طرح یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے اوپر وحی نبوت نازل ہوتی ہے اسی طرح یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ **میرے معلم جبرئیل** ہیں جن سے میں نے **معتقدات سیکھے** ہیں بلکہ انہوں نے **اپنے اساتذہ کے نام لکھ دیئے ہیں**۔"

(پیغام صلح یکم مارچ ۱۹۶۱ء)

ہم نے اپریل ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شذرات کے ذیل میں آخری حصہ پر تعاقب کیا تھا کہ اس سے ظاہر ہے کہ جناب مولوی صدرالدین صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اساتذہ سے لکھنا پڑھنا سیکھنا یا بعض ظاہری علوم مثلاً منطق و طب اور فارسی پڑھنا آپ کے نبی ہونے کے منافی ہے۔ اس کے جواب میں ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح عبارت اور الشیخ رشید رضا

مصری کا حوالہ پیش کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ اُمّی ہونا صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ باقی سب انبیاء اساتذہ سے پڑھتے رہے ہیں اسلئے مولوی صاحب موصوف کا استدلال بالکل غلط ہے۔

اخبار پیغام صلح کیلئے اپنے امیر کی اِس افسوسناک علمی لغزش کو تسلیم کرنا مشکل تھا اسلئے اس نے ۲۰ مئی کی اشاعت میں "الفرقان کی غلط بیانی" کا عنوان جما کر جناب مولوی صدرالدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو نقل کرکے **کامل عبارت** سے لکھ دیا کہ:۔

"بتایئے اس میں کہاں یہ لکھا ہے کہ چونکہ حضرت مسیح موعود لکھنا پڑھنا جانتے تھے اسلئے وہ نبی نہیں ہوسکتے۔ یہاں تو صرف معتقدات کی تعلیم جبرئیل سے نہ پانے کا علم ہے۔" (ص۳)

ہم فاضل مدیر پیغام صلح سے بادب پوچھتے ہیں کہ آپ کے اِس "صرف" کی صورت میں جناب مولوی صدرالدین صاحب کے فقرہ "بلکہ انہوں نے اپنے اساتذہ کے نام لکھ دیئے ہیں" کا کیا مطلب ہے؟ پھر یہ بھی سوال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے جن اساتذہ کے نام لکھ دیئے ہیں کیا آپ نے ان سے **معتقدات کی تعلیم** پائی تھی یا صرف و نحو وغیرہ پڑھی تھی؟ اگر محض صرف و نحو اور طب وغیرہ پڑھی تھی اور یہ آپ کے نزدیک بھی منافیٔ نبوت نہیں ہے تو مولوی صدرالدین صاحب نے اس موقعہ پر اس کا ذکر کیوں فرمایا تھا؟ اس ذکر سے وہ کیا ثابت کرنا چاہتے تھے؟ ہاں اگر مولوی صاحب کی مراد یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ان اساتذہ کے نام لکھ دیئے ہیں جن سے آپ نے **معتقدات کی تعلیم** پائی تھی تو واقعاتی طور پر یہ بات **صریح غلط بیانی** اور قبیح ترین مغالطہ دہی ہے۔

ہم گزشتہ شمارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ایام الصلح سے جو اقتباس درج کر چکے ہیں اس سے بالبداہت ثابت ہے کہ **اوّل**۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے **علم دین خدا ہی سے حاصل کیا تھا**۔ **دوم**۔ **قرآن و حدیث میں آپ کسی استاد کے شاگرد نہیں ہیں**۔ **سوم**۔ **اسرارِ دین بلا واسطہ** آپ پر کھولے گئے۔ **چہارم**۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے **ایک یہودی استاد سے تمام تورات** پڑھی تھی۔ گویا یہ امر ناقابلِ انکار حقیقت کی حد تک ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معتقدات کی تعلیم براہِ راست خدا تعالیٰ سے حاصل کی تھی۔ قرآن و حدیث کی تعلیم میں آپ کا کوئی استاد نہ تھا۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک یہودی استاد سے تورات پڑھی تھی۔ گویا انہوں نے معتقدات کی تعلیم ایک یہودی استاد سے حاصل کی تھی۔

ہم قارئین کے غور کے لئے دوبارہ ایام الصلح کا پورا حوالہ درج کرتے ہیں:۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا تھا مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے توریت پڑھی تھی۔ غرض اس لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی استاد ہوا اور پہلے پہل خدا نے ہی آپ کو اِقْرَأْ کہا یعنی پڑھ اور کسی نے نہیں کہا۔ اسلئے آپ نے خاص خدا کے زیرِ تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کی دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے۔ سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا ہی سے حاصل کرے گا اور قرآن اور حدیث میں کسی کا شاگرد نہیں ہوگا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے بس یہی مہدویت ہے جو نبوتِ محمدیہ

فلسفۂ امامت

(از جناب مولوی سمیع اللہ صاحب فاضل انچارج احمدیہ مسلم مشن بمبئی۔ بھارت)

[(نوٹ) امسال میں نے یوم مسیح موعود علیہ السلام کے موقعہ پر "بمبئی" بوہروں اور خوجوں کے سامنے فلسفۂ امامت پر ایک تقریر کی تھی۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ میں یہ تقریر ضبطِ تحریر میں لے آؤں۔ آج اس خواہش کی تکمیل کر رہا ہوں لیکن کچھ تصرّف و اضافہ کے ساتھ۔ میری وہ تقریر اگر متن تھی تو یہ اس کی شرح ہے۔ سمیع اللہ]

انتشارِ امّت کے نتائج

ملتِ اسلامیہ جب انتشار سے دوچار ہوئی اور قوموں کی سنّت نے انہیں بھی فرقہ آرائی کی دعوت دی تو ہم ہر فرقہ کے پیشوا کو ایسے مسائل کی جستجو میں منہمک پاتے ہیں جو اُن کی جماعت کا خاص "موضوعِ فکر" بن سکے۔ اِس ذوقِ جستجو کے باعث دینِ اسلام میں بہت سے مباحث کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔ اگرچہ فرقہ آرائی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی جاتی۔ لیکن جب ہم ان فرقوں کے نتائج فکر دیکھتے ہیں تو طبیعت کو ایک بشاشت اور دل کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے۔ طبیعیات اور الٰہیات کے مسائل جو پہلے سیدھے سادے الفاظ میں بیان کئے گئے تھے متاخرین نے ان پر حاشیہ آرائی کی، فلسفے کا لبادہ اُڑھایا اور اپنے تخلیقی افکار پیش کرنے کے لئے انہیں اپنا خاص "ہدفِ فکر و نظر" بنایا۔ دقّتِ نظر، نکتہ رسی اور قوّتِ متخیلہ جن سے شجرِ علوم و فنون بارآور ہوتے ہیں، ہر فرقہ نے ادراکِ حقیقت کے لئے ان ذرائع سے کام لیا۔ مابعد الطبیعیات اور شریعت کے اوامر و نواہی کی باریک سے باریک تشریح کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینِ اسلام جو پہلے صرف "دینِ عمل" تھا "دینِ فکر و نظر" بھی بن گیا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان خدا کو سمیع و بصیر اور کلیم و مجیب ضرور مانتے تھے مگر انہوں نے کبھی اس پر بحث نہیں کی کہ ان **صفاتِ الٰہیہ** کا خدا کی ذات سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح قرآن مجید ان کے نزدیک کلامِ الٰہی ضرور تھا مگر انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ کلامِ الٰہی مخلوق ہوتا ہے یا غیر مخلوق۔

لیکن دوسری صدی ہجری میں یہی مباحث "موضوعِ فکر" بن گئے۔ اُس عہد کے علماء نے اِن مسائل پر خوب داد تحقیق

دی۔ رفتہ رفتہ ہر موضوع پر غور و فکر کرنے والوں کا ایک حلقہ بنتا گیا اور اُمّت محمدیہ مختلف ٹولیوں میں بٹتی گئی۔

مسلمانوں نے اِس میدان میں ذہن و فکر کی جو جولانی دکھائی اسے دیکھ کر طبیعت ضرور مسرور ہوتی ہے۔ الٰہیات، طبیعیات اور فلکیات کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر انہوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ روحانیات و اخلاقیات کے علاوہ سمندر پیمائی، اسباب زلزلہ کی تحقیق، حرکت، کشش ثقل، بُعد مسافت، اجرام سماوی پر زندگی کے آثار، غرض اِس وقت سائنس جن مسائل سے بحث کرتی ہے اُن کا مسلمانوں کی کتب میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کا علم مشاہدہ کا رنگ اختیار کرتا جا رہا ہے لیکن اُس وقت یہ وسائل حاصل نہیں تھے۔ پھر بھی انہوں نے افلاک سے پاتال تک اپنے سمندِ خیال کو خوب دوڑایا۔

مسئلہ امامت

انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ جو اُمّت کے ایک بڑے طبقے کا موضوعِ فکر بنا "مسئلہ امامت" ہے۔ فاطمیوں یعنی شیعوں کا خاص "مطمح نظر" یہی مسئلہ ہے۔ اسلام کے عہد اولین میں یہ مسئلہ کسی فرقہ کا "عنوانِ بحث" نہیں بنا۔ مگر آہستہ آہستہ اِس موضوع پر غور و فکر کرنے والوں کا ایک حلقہ بنتا گیا۔ اِس مسئلہ کو علمی شکل دی گئی اور قرآن و احادیث سے استنباط کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مآل کار یہی مسئلہ فاطمیوں کی دینی و سماجی تنظیم کا نقطۂ مرکزی بن گیا۔

جماعتِ احمدیہ

لیکن تیرہ سو سال کے بعد اہل سنّت والجماعت میں بھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس کا خاص موضوعِ فکر "مسئلہ امامت" ہے۔ یہ فرقہ ایک وجود کو "امام الزمان" کی شکل میں پیش کرتا ہے جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کے متعلق کتب شیعہ و سُنی میں جتنی صحیح روایات آتی ہیں اس کے نزدیک سب اس امام الزمان علیہ السلام پر منطبق ہوتی ہیں۔ اس فرقہ کا نام "فرقۂ احمدیہ" ہے۔ ہم اس جگہ انہیں دونوں فرقوں کے فلسفۂ امامت پر غور کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن اس سے پیشتر کہ میں اِس مسئلہ کے مختلف زاویوں پر بحث کروں۔ فرقۂ فاطمیہ اور فرقۂ احمدیہ کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

فرقۂ فاطمیہ

یہ فرقہ عرفِ عام میں شیعہ کہلاتا ہے۔ اس کا خاص موضوعِ بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "منصبِ امامت" ہے۔

اسماعیلی و اثنا عشری

اس جماعت کا نفسِ نظریۂ امامت پر اتفاق ہے مگر امامت کی تشریح و تعبیر اور اماموں کی تشخیص و تعیین میں کچھ اختلافات بھی ہیں اسلئے آگے چل کر یہ جماعت دو فرقوں میں الگ الگ ناموں سے بٹ گئی۔ یعنی شیعہ اثنا عشری اور شیعہ اسماعیلی

حضرت علیؓ و حسنؓ کی امامت میں اختلاف

شیعوں کی وحدت میں کب رخنہ پڑا؟ تو صحیح یہ ہے کہ یوں تو ان کے ہاں اختلاف حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے مراتب و مناصب میں بھی ہے مگر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک ان کی وحدت میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا۔

حضرت علیؓ حضرت علی و حضرت حسنؓ کے متعلق ان میں جو اختلاف ہے وہ اس بات پر ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو اماموں کی فہرست میں شامل کیا جائے یا نہ؟ عام طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلسلۂ اسماعیلیہ کا پہلا امام کہا جاتا ہے۔ مگر دعوتِ فاطمی کے محقق آپ کو مرتبۂ امامت سے بالا مانتے ہیں۔ آپ کا مرتبہ مرتبۂ وصایت قرار دیتے ہیں جو درجۂ امامت سے بلند رتبہ ہے۔ اس لئے وہ اماموں کی فہرست میں آپ کا نام شامل نہیں کرتے بالکل ایسے ہی جیسے اہل سنت والجماعت حضرت ابوبکرؓ سے سلسلۂ خلافت کا آغاز کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خلفاء کی فہرست میں نہیں لکھتے۔ اس لئے کہ آپ منصبِ خلافت سے بھی بلند یعنی منصب نبوت پر فائز تھے۔

امام حسنؓ ان میں دوسرا اختلاف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ شیعہ اثنا عشری اور مستعلوی یعنی بوا ہیر آپ کو بھی امام مانتے ہیں مگر نزاری یعنی خوجے آپ کو امام نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ عہدِ معاویہ میں حق امامت سے دست بردار ہو گئے اس لئے اب اُمّت کے امام صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رہے اور یہ امامت ایک پُشت سے دوسری پُشت میں منتقل ہوتی ہے اس لئے امام حسینؓ کے بعد آپ ہی کی نسل میں امامت چلی۔

لیکن اثنا عشری اور بوا ہیر اس جگہ ایک استثنائی صورت پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پہلے امام حضرت امام حسنؓ ہیں مگر اُن کے بعد امامت اُن کی اولاد میں منتقل ہونے کی بجائے حضرت امام حسینؓ کی طرف آگئی۔ اور پھر آپ ہی کی نسل میں امامت جاری رہی۔ وہ اس استثناء کے جواز پر بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

عام طور پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک اماموں کی جو ترتیب بتائی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ قارئین پڑھتے ہوئے مذکورہ بالا اختلافات ملحوظ رکھیں۔

فہرست ائمہ

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔
۲۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔
۳۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔
۴۔ حضرت علی زین العابدین رضی اللہ عنہ۔
۵۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ۔

۶۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔

اسماعیلی و اثنا عشری

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد سلسلۂ امامت دو شقوں میں منقسم ہو گیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے متعدد لڑکے تھے۔ ان لڑکوں میں سے آپ نے دو لڑکوں کے حق میں امامت کا نص کیا۔ یعنی

۱۔ حضرت امام اسماعیل رضی اللہ عنہ۔

۲۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ۔

دو لڑکوں کے حق میں نص کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلے انہوں نے اپنے بڑے لڑکے حضرت امام اسماعیل رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت کا نص کیا لیکن پھر بعض وجوہ کی بناء پر یہ نص منسوخ کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت کا نص کیا۔

حق نسخ امامت

اس صورتِ حال سے شیعوں کے سامنے ایک سوال کھڑا کر دیا۔ وہ یہ کہ کیا امام کو یہ اختیار ہے کہ جس کے حق میں انہوں نے ایک مرتبہ امامت کا نص کر دیا اُسے وہ منسوخ بھی کر سکتا ہے؟

جن لوگوں نے یہ کہا کہ امام کو یہ حق نہیں ان کے نزدیک امام اسماعیل کا نص قائم و ثابت رہا اور پھر یہ سلسلۂ امامت انہیں کے خاندان میں چلا۔ فرقہ اسماعیلی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد اسی خاندان میں سلسلہ امامت کا قائل ہے۔

لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کو اپنا نص منسوخ کرنے کا حق ہے وہ حضرت امام جعفر صادق کے بعد جناب موسیٰ کاظم کے خاندان میں سلسلۂ امامت کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام اسمٰعیل کے بعد حضرت امام جعفر صادق نے حضرت موسیٰ کاظم کے حق میں امامت کا نص کر دیا۔ اور پہلا نص منسوخ ہو گیا۔ اس فرقہ کو فرقہ اثنا عشری کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بارہ اماموں کے معتقد ہیں۔ ان کے بارھویں امام حضرت امام محمد بن حسن عسکری سامرہ کے سرداب نامی غار میں چھپا دیئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ڈھائی سال کی تھی۔ فرقہ اثنا عشری کے نزدیک یہی امام مہدی ہیں۔ اور یہ آج تک انہیں کے ظہور کے منتظر ہیں۔

نزاری اور مستعلوی

آگے چل کر اسماعیلی فرقے کی بھی دو شاخیں ہو گئیں۔ یعنی نزاری اور مستعلوی۔

حضرت نزار اور مستعلی مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کے دو لڑکے تھے۔ ان دونوں کے زمانے میں بھی فرقہ اسماعیلیہ میں اختلاف کی وہی صورت پیدا ہوئی جو امام جعفر صادق کے دونوں فرزندوں امام اسمٰعیل اور کاظم

کے عہد میں ہوئی تھی یعنی یہاں سے بھی اس "شجرِ امامت" میں دو شاخیں پھوٹ آئیں۔ نزاری اور مستعلوی۔
کہتے ہیں کہ امام مستنصر باللہ نے اپنے بڑے لڑکے نزار کے حق میں امامت کی وصیت کی تھی لیکن ان کا مشہور وزیر بدر جمالی نزار کی طرف سے مخالف تھا اس لئے اس نے ان کے چھوٹے بھائی مستعلی کے حق میں فیصلہ کیا اور اس کی کوششوں سے امام مستعلی ہی تختِ خلافت و امامت پر بٹھائے گئے۔ اور کچھ لوگوں نے امام نزار کو چھوڑ کر امام مستعلی کو ہی اپنا امام مان لیا۔ اس طرح فرقہ اسماعیلیہ بھی خلیفہ مستنصر باللہ کے بعد دو گروہوں میں بٹ گیا۔ یعنی نزاریہ اور مستعلیہ۔ نزاریہ کو آج کل آغا خانی یا خوجے کہتے ہیں اور مستعلیہ کو ہندوستان میں بوہرے اور یمن میں طیبیہ۔

تعریفِ امامت میں اختلاف

ان دونوں کے درمیان اس فرق کے علاوہ "تعریفِ امامت" میں بھی ذرا اختلاف پایا جاتا ہے۔ نزاری امام کی غیبت کو معیوب قرار دیتے ہیں۔ وہ امام حاضر کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امام کو ہمیشہ اپنی قوم کے درمیان موجود ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ان کا سلسلۂ امامت ابھی تک جاری و ساری ہے۔ سلطان محمد شاہ عرف آغا خان اسی سلسلہ کے انچاسویں امام حاضر تھے اور آج پرنس کریم اسی سلسلہ کے پچاسویں امام حاضر ہیں۔

غیبتِ امام

لیکن فرقہ مستعلیہ (بوہرے) غیبتِ امام کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں امام کا حاضر ہونا ضروری نہیں۔ وہ اپنے سلسلہ میں متعدد اماموں کو غائب مانتے ہیں۔ جیسے امام عبداللہ، امام احمد، امام حسین اور ان کے اکیسویں امام حضرت امام طیب بھی امام غائب ہیں۔ ان کی غیبت کے بعد آج تک اس سلسلہ میں کوئی امام حاضر ظاہر نہیں ہوا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ عہدِ غیبت میں امام کی طرف سے ان کے داعی مطلق کا سلسلہ حضرت امام طیب کی غیبت کے بعد سے آج تک جاری ہے۔ اس طرح کے دعاۃ مطلق یمن میں ۲۳۔ اور ہندوستان میں ۲۸ گزر چکے ہیں۔ پہلے اس منصب پر تقرری کی صورت یہ تھی کہ ایک داعی مطلق اپنی زندگی میں جماعت کے سب سے متقی اور عالم شخص کو اپنے بعد داعی مطلق نامزد کر دیتا تھا اس لئے یہ منصب کبھی یمن سے ہندوستان اور کبھی ہندوستان سے یمن گیا لیکن تین چار پشتوں سے یہ سلسلہ بھی موروثی ہو گیا ہے اور آج کل یہ منصب مولانا سیف الدین طاہر چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی کو تفویض ہے اور انہوں نے اپنے بعد اس منصب کے لئے اپنے بڑے لڑکے مولانا برہان الدین کو نامزد کر دیا ہے۔

خوجے

فرقہ اسماعیلیہ اپنی تنظیم اور سماجی پابندیوں میں ضرب المثل ہے۔ نزاری اور مستعلوی یعنی خوجے اور بوہرے دونوں کا تجارت پیشہ اقوام میں شمار ہوتا ہے۔ خوجوں کا تو ایک خاص دینی نظام ہے جو عام مسلمانوں سے بہت مختلف ہے۔ ان کے ہاں نماز کی بجائے صرف دعا ہے۔ یہ اپنے جماعت خانے میں دو وقت یعنی صبح و شام اکٹھے ہو کر دعا کر لیا کرتے ہیں۔ یہی ان کی نماز ہے۔ ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔

بواہیر لیکن بواہیر چند سال پہلے غالی قسم کے مسلمان تھے۔ ظاہری آداب شریعت کا بڑا پاس تھا۔ داڑھی اور برقعہ سے بڑا شغف تھا۔ ان میں جو داڑھی منڈاسنے کا جرم کرتا اس کا مولینا سیف الدین طاہر نکاح تک نہیں پڑھاتے تھے۔

دینی حالت ان کی صورت بہت متشرع ہوتی تھی۔ نماز پنجگانہ کے سخت پابند تھے۔ آج بھی ان کی مساجد بہت آراستہ پیراستہ اور صاف ستھری ہوتی ہیں۔ ہر نمازی گھر سے مصلیٰ ساتھ لاتا ہے۔ نماز پڑھنے کے کپڑے بھی الگ ہوتے ہیں۔ وہ لباس ایسا ہوتا ہے جیسے کسی تارک الدنیا راہب کا۔ بمبئی میں ان کی جامع مسجد غرۃ المساجد کے نام سے مشہور ہے۔

عربی دانی جماعت بواہیر کا عربی زبان سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ پہلے ان کے دعاۃ اور دوسرے اکابر عربی ہی میں خط و کتابت کرتے تھے۔ ان کی مذہبی کتب بھی عربی میں ہیں یا گجراتی زبان عربی رسم خط میں۔

نظام فکر و فقہ ان کا ایک خاص نظام فکر ہے اور وہ جب اس پر گفتگو کرتے ہیں تو کثرت سے قرآن مجید، اپنے سلسلہ کی احادیث اور اقوال اکابر کے حوالے دیتے ہیں۔

دعائم الاسلام دوسری مسلم جماعتوں کی طرح ان کا بھی ایک خاص نظام فقہ ہے جس میں قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کر کے لکھے گئے ہیں۔ ان کی سب سے مشہور و مستند کتاب فقہ کا نام دعائم الاسلام ہے۔ یہ اس سلسلہ کے مشہور بزرگ قاضی نعمان بن محمد کی تصنیف ہے۔ یہ مصر کے فاطمی خلفاء معز اور عزیز کے عہد میں مصر کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ پہلے یہ کتاب دوسری اسماعیلی کتب کی طرح مخفی تھی مگر اب مصر سے شائع ہو گئی ہے۔

نماز جمعہ اس وقت ان کی فقہ کا جو قابل ذکر مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ نہیں پڑھتے۔ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کا حق صرف "امام وقت" کو ہے اور وہ غائب ہیں۔ لہذا ان کی غیبت میں نماز جمعہ نہیں پڑھی جا سکتی۔

نہج البلاغہ ان کی دوسری اہم کتاب کا نام "نھج البلاغۃ" ہے۔ اس کے مؤلف ایک عباسی شاعر شریف رضی ہیں۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات، اقوال اور پند و نصائح ہیں۔ فلسفہ اخلاق و تصوف میں اعلیٰ درجہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ دینی حیثیت کے علاوہ اس کتاب کی "ادبی حیثیت" بھی مسلم ہے۔ نزاری حضرات کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک کے بعد اس روئے زمین پر سب سے بلند رتبہ کتاب یہی ہے۔

علم تاویل و حقیقت فرقہ اسماعیلیہ کی دینیات کا سب سے اہم موضوع تاویل اور علم حقیقت ہے۔ ان دونوں موضوعوں پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل "فلسفۂ امامت"

میں آسکے گی۔

وفات مسیح ناصریؑ لیکن ہم احمدیوں کے لئے ان کی دینیات کا سب سے قابلِ توجہ مسئلہ عقیدۂ وفاتِ مسیح ہے۔ اسماعیلیوں کی دینیات میں کہیں حیاتِ مسیح کا ذکر نہیں ملے گا۔ ان کی اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناطق خامس کہا گیا ہے اور ان کو متفقہ طور پر اور ناطقوں کی طرح وفات یافتہ مانا گیا ہے۔ اسماعیلیوں میں ابھی تک اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حیاتِ مسیح کا نام بھی نہیں سنا ہے۔ میں نے جب پہلی مرتبہ فرقہ بوا ہیر کے چند دوستوں کے سامنے غیر احمدی مسلمانوں کے اس نظریہ کا ذکر کیا تو سبھی کے چہرے پر تعجب کے آثار نظر آنے لگے اور سبھی نے کہا کہ اگر احمدیوں اور غیر احمدیوں کے اختلافات کی بنیاد اسی پہ ہے پھر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرقۂ احمدیہ اور فرقۂ اسماعیلیہ میں کوئی بنیادی اختلافات نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں کا دماغ مسیح ناصری کی آمدِ ثانی کے تصور سے بالکل خالی ہے۔ ہم لوگ تو اُمتِ محمدیہ میں ہی ایک ناطق سابع کی بعثت کے منتظر ہیں جن کو ہماری دوسری اصطلاح میں قائم القیامہ اور امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اسماعیلیوں کی بہت سی دینی کتب دیکھیں اور ان کے علماء سے زبانی سوالات کئے سبھی نے متفقہ طور پر یہی جواب دیا کہ فرقہ اسماعیلیہ میں حیاتِ مسیح کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

اس جگہ میں یہ واضح کر دینا بھی مفید سمجھتا ہوں کہ عقیدۂ وفاتِ مسیح پر مستعلوی اور نزاری دونوں اسماعیلی فرقوں کا اجماع ہے خصوصاً نزاریوں کے ہاں تو اس تصور کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ان کے نجات دہندہ امام حاضر تو ہمیشہ ان کے درمیان موجود رہتے ہیں۔

امام حاضر اب اس جگہ یہ لکھ دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اسماعیلیوں کی دینی کتب پر ایمان و عمل کا دعویٰ جماعت بوا ہیر ہی کر سکتی ہے۔ آغا خانیوں یعنی نزاریوں کا ایمان و عمل صرف امام حاضر کے اقوال پر ہوتا ہے اور انہیں کتاب مبین کہتے ہیں اور قرآن کریم اور دوسری کتب شرائع کو کتاب صامت کا مقام دیتے ہیں۔ اس لئے وہ امام حاضر کی موجودگی میں کسی کتاب کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک دین یا شریعت امام حاضر کے تابع فرمان ہوتی ہے۔

آج آغا خانیوں میں شرائع اسلام سے جو دُوری نظر آتی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ باوجودیکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کے سیاسی معاملات میں بہت نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ پھر بھی عام مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو احکام اسلام کا پابند نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ہمارے امام حاضر نے ہمیں ان شرعی تکلفات سے آزاد کر دیا۔

میثاق یا عہد جماعت بوا ہیر میں ایک رسم پائی جاتی ہے جس کو میثاق یا عہد کہتے ہیں۔ اس کو ہم اپنی زبان

میں" اقرار ایمان و پیمانِ وفا" کہہ سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب اس جماعت کا کوئی فرد "سِن بلوغ" کو پہنچتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ اپنے داعی یا ان کے نائب کے پاس پہنچ کر ان سے وفاداری کا میثاق باندھتا ہے۔ اس میثاق کو جماعت بوا ہیر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ان کی دینی و سماجی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ اس جماعت کا کوئی فرد جب اپنے داعی مطلق کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کرتا ہے تو اس وقت یہی کہتے ہیں کہ اس نے اپنا میثاق توڑ دیا۔ اور یہ فعل جماعت بوا ہیر میں اتنا ہی ناپسندیدہ ہے جتنا عام مسلمانوں میں ارتداد۔

فرقہ باطنیہ

فرقہ اسماعیلیہ کی ایک شاخ نزاریہ کو ایک اصطلاح میں باطنیہ بھی کہتے ہیں لیکن جب ہم اسماعیلی دعوت کی پوری تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس میں شروع سے ہی اہلِ باطن کے خواص نظر آتے ہیں۔

دَورِ ستر — ہم لوگ اس وقت جس دَور سے گزر رہے ہیں یہ بھی ان کے نزدیک دَورِ ستر کا ہفت ہزاری دَور ہے۔ اسماعیلی فلسفہ کے مطابق زمانہ تین دَوروں میں منقسم ہوتا ہے۔ دَورِ کشف، دَورِ فترت اور دَورِ ستر۔ ہمارا دَور دَورِ ستر کہلاتا ہے۔ اسماعیلیوں کے نزدیک اس دَور کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہوئی ہے اور سات ہزار سال تک یہ دَور ممتد رہے گا۔

دعوتِ ستری کا آغاز — لیکن تاریخی اور ظاہری طور پر بھی یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد تحریک بنی فاطمہ ایک باطنی تحریک بن گئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام علی زین العابدین پر حکومتِ بنی امیہ کی بڑی کڑی نگرانی تھی اور وہ اپنے آپ کو ایک ناموافق ماحول میں محصور پاتے تھے۔ اس خاندان کو اگر معاویہ و یزید کی زندگی میں ان کے ذاتی افعال سے نفرت تھی تو حادثہ کربلا کے بعد ان سے سیاسی اختلاف بھی ہو گیا مگر وہ اپنے دینی و سیاسی اختلافات کا برملا اظہار نہیں کر سکتے تھے اس لئے واقعاتی طور پر سب سے پہلے حضرت علی زین العابدین رضی اللہ عنہ نے دعوتِ ستری کا آغاز کیا۔ یہ دعوت عوام میں جس حیرت انگیز طور پر مقبول ہوئی اور حادثہ کربلا کے بعد لوگوں کا رجحان جس تیزی کے ساتھ اولاد فاطمہ کی طرف ہوا اسے دیکھتے ہوئے واقعی اس فرقہ کو فرقۂ باطنیہ ہی کہنا چاہیئے۔ ان کے دعاۃ ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور لاکھوں لوگوں کے دلوں میں اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور بنی امیہ کی نفرت پیدا کر دی۔

خلیفہ ہشام اور زین العابدین — مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہشام حجر اسود کو بوسہ دینے آیا قدِ ہاں

بڑی بھیڑ تھی اور اس کو تقبیل کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ آ گئے تو سبھی نے آپ کو جگہ دیدی۔ یہ دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کا لوگوں کے دلوں میں اتنا احترام ہے؟ مشہور فاطمی شاعر فرزدق نے اس پر ایک پورا قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

قصیدۂ فرزدق

۱۔ هٰذا الّذی تعرف البطحاء وطأتہ
والبیت یعرفہ والحل والحرمُ

۲۔ هٰذا ابن فاطمة ان کنت جاهلہ
بجدّہ انبیاء اللّٰہ قد ختموا

۳۔ ما قال لا اِلّا فی تشهّدہ
لولا التشهد کانت لاءہ نعمُ

۴۔ اذا رأتہ قریش قال قائلها
الی مکارم هٰذا ینتهی الکرمُ

۵۔ یغضی حیاءً ویغضی من مهابتہ
فما یکلّم الاحین یبتسمُ

۶۔ ان عد اهل التقیٰ کانوا ائمتهم
او قیل من خیر اهل الارض قیل همُ

(دیوان فرزدق)

ترجمہ:۔

۱- یہ وہ شخصیت ہے کہ بطحاء اس کا نشانِ قدم پہچانتا ہے۔
بیت اللہ بھی اسے پہچانتا ہے اور حل و حرم بھی جانتا ہے۔

۲- یہ فاطمۃ الزہراء کا پوتا ہے۔ اگر تم ناواقف ہو تو سُن لو کہ
ان کے نانا خاتم الانبیاء ہیں۔

۳- یہ تشہد کے سوا کبھی لا (نہیں) نہیں بولتے۔
اگر تشہد نہ ہوتا تو ان کا لا (نہیں) بھی نعم (ہاں) ہوتا (سخاوت کی طرف اشارہ ہے)

۴- جب قریش نے ان کو دیکھا تو اس کے ایک کہنے والے نے کہا کہ
انہیں بزرگیوں پر پہنچ کے بزرگی ختم ہو جاتی ہے۔

۵- وہ شرم سے نظریں نیچی رکھتے ہیں اور لوگ ان کی ہیبت سے نظریں نیچی رکھتے ہیں - ان سے گفتگو کی جرأت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ تبسم فرماتے ہوں۔ (رعب کی طرف اشارہ ہے)

۶- اگر متقیوں کا شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ہوں گے

اور اگر یہ پوچھا جائے کہ روئے زمین پر سب سے بہتر کون ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ یہی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہشام نے فرزدق کو مکہ اور مدینہ کے درمیان قید کر دیا۔

عہدِ دولتِ عباسیہ میں دعوتِ سرّی

پھر جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد جماعت فاطمی دو گروہوں میں بٹ گئی۔ اس وقت بھی کسی کی دعوتِ سرّی میں فرق نہ آیا۔ یہ زمانہ دولتِ عباسیہ کا تھا۔ بنی امیہ کو تختِ اقتدار سے ہٹانے کے لئے فاطمیوں اور عباسیوں دونوں نے مل کر کوشش کی تھی مگر سیاست کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب عباسی تختِ اقتدار پا گئے تو فاطمی اکابر زیرِ عتاب آ گئے۔ خلیفہ منصور نے حضرت امام جعفر صادق کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بڑے لڑکے امام اسماعیل کو حکومت کے حوالے کر دیں مگر مشیتِ الٰہی کہ اس حکم کے پہنچتے ہی امام اسماعیل کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد پھر ان کے لڑکے امام محمد کے متعلق بھی یہی حکم نافذ ہوا اور امام جعفر صادق کو انہیں روپوش کرنا پڑا حتیٰ کہ ان کا نام ہی محمد مکتوم پڑ گیا۔ پھر ان کے بیٹے، پوتے اور پڑپوتے یعنی عبد اللہ، احمد اور حسین کو پوشیدہ زندگی گزارنی پڑی۔ یہاں تک کہ عبد اللہ مہدی کا زمانہ آیا اور ابو عبد اللہ شیعی کی جدوجہد سے وہ تختِ اقتدار پر بیٹھے۔ اس دن دورِ ستر یا اندرگراؤنڈ تحریک ختم ہوئی۔ اور اب لوگوں کو اعلانیہ اسماعیلی دعوت دی جانے لگی۔ یہ ۲۹۶ھ کی بات ہے۔

خلیفہ مستنصر باللہ

لیکن مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کے بعد پھر جماعت اسماعیلیہ کی ایک شاخ یعنی نزاری دورِ ستر میں چلی گئی اور انہوں نے پھر سے باطنی طریقہ اختیار کیا۔ حسن بن صباح اسی سلسلہ کا ایک زبردست داعی گزرا ہے۔ انہوں نے اپنی خفیہ تدابیر اتنے عروج پر پہنچائیں کہ عام طور پر اب فرقہ باطنیہ کا اطلاق اسی فرقہ نزاریہ پر ہوتا ہے

قاضی نعمان و جعفر بن منصور

دعوتِ فاطمی کی خفیہ تحریکات و تعلیمات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت جب مصر پر ان کی حکومت قائم تھی اس وقت بھی اسماعیلی اکابر کو آپس میں ایک دوسرے کی تصانیف کا علم نہیں ہوتا تھا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد میں دو اسماعیلی علماء بڑے بلند رتبوں پر تھے۔ یعنی جعفر بن منصور الیمن اور قاضی نعمان بن محمد۔ اوّل الذکر سلطان معز کے باب الابواب تھے۔ یہ امامت کے بعد سب سے بڑا رتبہ ہے اور عقل رابع کے مدمقابل ہے۔ اور قاضی نعمان اسماعیلیت کے بڑے فقیہ اور مصر کے قاضی القضاۃ تھے۔ مگر قاضی نعمان کو جعفر بن منصور کی تصانیف کی خبر نہیں تھی۔ یہ ہے ان کی پوشیدگی کا عالم کہ ایک دوسرے

سے بے اعتمادی کا سوال۔

دُوَلِ اسلامیہ جس شخص نے بنی امیہ، بنی عباس اور دولت عثمانیہ کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ حکومت کے عہد میں ایک خفیہ فاطمی تحریک کا جال سارے ممالک اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا۔ کئی مرتبہ ان کے داعیوں نے حکومت کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی کہ جا بجا بغاوتیں ہوگئیں۔ خلیفہ ہشام کے عہد میں بنی فاطمہ میں سے حضرت زیدؒ اور حضرت یحییٰ نے علم بغاوت بلند کیا اور شہید ہوئے۔

امویوں کے اسبابِ زوال اور یہ تو تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امویوں کے زوال کا باعث فاطمی دعاۃ ہی تھے۔ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان دوم کے زمانہ میں فاطمی داعیوں نے نہایت منظم طور پر امویوں کے خلاف خفیہ تحریک چلائی۔ لوگوں کے جذبات اتنے برانگیختہ کر دیئے۔ کہ جب ابو العباس سفاح نے بنی امیہ کے خلاف سیاہ جھنڈی بلند کی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بارود کی موٹی تہ میں چنگاری لگا دی گئی اور اموی جاہ و اقتدار کا قلعہ چشم زدن میں اُڑ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ مشیت الٰہی اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیاسی بکھیڑوں سے الگ رکھنا چاہتی تھی اس لئے ملک میں انقلاب تو آگیا مگر یہ انقلاب فاطمیوں کے حق میں مفید ہونے کی بجائے مضر ثابت ہوا اور بنی فاطمہ امویوں کے دور میں جس جگہ تھے دولت عباسیہ میں بھی وہیں رہے۔

حسن بن صباح پھر حسن بن صباح کے عہد سے تو نزاری فاطمیوں میں باقاعدہ دہشت پسندوں کا ایک گروہ ہی قائم ہوگیا۔ اس کو تاریخ کی اصطلاح میں فدائی کہتے ہیں۔ تاریخ میں اس کے بڑے بڑے کارنامے ثبت ہیں۔ بڑے بڑے اکابر اسلام ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ سلاطین، علماء اور صوفیاء سبھی ان سے خوف زدہ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو چند فدائیوں نے اتنا خوف زدہ کیا کہ پھر انہوں نے اسماعیلی تحریک کے خلاف بولنا ہی چھوڑ دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بال بال اُن کے ہاتھوں سے بچے اور جو لوگ شہید ہوئے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

حملۂ غزنوی محمد بن قاسم کے بعد دولت فاطمیین مصر کی کوششوں سے سندھ میں بھی اسماعیلیوں کی دعوت مقبول ہوگئی تھی۔ پھر وہاں سے کچھ گجرات، سوراشٹر اور دکن میں مقبول ہوئی۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے انہیں فاطمیوں کا زور توڑنے کے لئے سندھ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرتے ہی ملتان میں قرامطیوں کی بنائی ہوئی مسجد مسمار کر دی۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ جب سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان سے واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں فدائیوں نے ان کے خیمے پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

اکابر اہل سنّت

مجھے حیرت تو اُس وقت ہوتی ہے جب فرقۂ نزاریہ اہل سنّت والجماعت کے چند اکابر کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی فاطمی تحریک کے داعی تھے جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہما۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر فاطمی تحریک کے باطنی تحریک ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

بنی فاطمہ کے کارنامے

فاطمیوں کو سلطنت، حکمرانی اور عام مسلمانوں کی سربراہی کا موقعہ بہت کم ملا ہے لیکن مصر کا فاطمی دَور تاریخِ اسلام کا ایک درخشندہ دَور ہے۔ مصر کے فاطمی خلفاء نے عدل و انصاف، رعایا پروری اور علم دوستی کی زرّیں یادگاریں چھوڑی ہیں۔ مصر کے شہر قاہرہ کی تعمیر چوتھے فاطمی خلیفہ امام معزّ کے عہد میں ہوئی۔ انہوں نے ہی مسلمانوں کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ ازہر بھی قائم کی۔

ان کے عہد میں علوم طبیعیات و فلکیات کی بھی بہت ترقی ہوئی۔ مشہور ہیئت دان علی بن یونس اور مشہور ماہر طبیعیات ابوالہیثم بھی عہدِ فاطمی ہی کے علما رتھے۔

دردِ قولنج اور ڈھول

لیکن عہدِ فاطمی کی سب سے عجیب و غریب یادگار وہ ڈھول ہے جو دردِ قولنج دُور کرنے کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ یہ ڈھول حافظ الدین اللہ (متوفی ۵۴۴ھ) کے عہد کی ایجاد ہے۔

حافظ کا انتقال دردِ قولنج میں ہوا۔ اس کے علاج کے لئے طبیب شرماہ دیلمی یا موسےٰ نصرانی نے ایک نادرہ روزگار ڈھول بنایا۔ یہ ڈھول سات مختلف دھاتوں سے اس وقت تیار کیا گیا تھا جب ساتوں سیارے مشرق کی طرف تھے۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ جب کوئی یہ ڈھول بجاتا تو مخرج سے ہوا نکلتی اور درد کم ہوجاتا۔ یہ ڈھول سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں برباد ہوگیا۔ انہوں نے جب مصر پہ قبضہ کیا تو یہ ڈھول ایک سپاہی کے ہاتھ لگا اور اسے بجانے لگا تو اس کے مخرج سے ہوا نکلنے لگی۔ اس سے وہ گھبرایا اور ڈھول چھوڑ دیا۔ وہ گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

مصر کے فاطمی خلفاء نے رفاہِ عام کے اور بھی بہت سے کام کئے جو فاطمی ثقافت کے بہترین نمونے ہیں۔

میں نے جو کچھ عرض کیا اس سے سیدۃ النساء اہل الجنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے مخصوص عقیدت رکھنے والوں کا تعارف ہوجاتا ہے۔ اب میں آپ کے سامنے جماعت احمدیہ کا تعارف کراتا ہوں۔

جماعتِ احمدیّہ

چاندنی یوں بھی سہانی ہوتی ہے لیکن جب برسات کی دیوی اپنے بھیگے بھیگے ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کردیتی ہے تو اس کا حُسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔ کھیتوں کی ہریالی اور چمن کے سبزہ زار پر بیٹھ کے چاند کا نظارہ بڑا دلفریب ہوتا ہے خصوصاً اس کے لئے جسے خزاں کے بعد بہار کی آمد کا انتظار ہو۔

فلسفۂ امامت بڑا روح پرور ہے لیکن جب خود امام الزمان یہ فلسفہ سمجھا رہا ہو تو اس کی رُوح پروری کا کیا کہنا۔ امام الزمان کی مجلس میں بیٹھ کر ان مسائل پر غور کرنا بڑا معرفت افزا ہوتا ہے خصوصاً اس کے لئے جو دل کی شگفتگی اور رُوح کی بالیدگی کا محتاج ہو۔

امام الزمان کا ظہور

چودھویں صدی ہجری کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس صدی میں ایک امام الزمان کی شبیہہ کامل پردۂ وجود پر نظر آئی۔ اس امام عالی مقام کا نام حضرت مرزا غلام احمد ہے علیہ السلام۔ یہ امامت کی دونوں اقسام یعنی استیداعی اور استقراری مراتب کے حامل تھے۔ یہ تو فرقۂ اسماعیلیہ کی اصطلاح ہے جس کی تفصیل فلسفۂ امامت میں آئے گی۔ اہل سنت کی اصطلاح میں وہ مجدد بھی تھے اور نبی بھی۔

اس امام ہمام کے مقصد امامت پر جن لوگوں نے لبیک کہی آج انہیں کی ہیئت اجتماعیہ کو جماعت احمدیہ کہتے ہیں۔ اس جماعت کی تاریخ تاسیس ۲۳ر مارچ ۱۸۸۹ء ہے جبکہ خود امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تاریخ کو لدھیانہ میں اس جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس لحاظ سے آج اس جماعت کی عمر ۷۲ سال ہوتی ہے۔ اور ہم آج اس کی ۷۳ ویں سالگرہ منا رہے ہیں اور خدا نے چاہا تو ہم چار سال کے بعد اس جماعت کی ڈائمنڈ جوبلی منائیں گے۔

موضوعِ فکر

اس جماعت کا خاص "موضوعِ فکر" مسئلۂ امامت و مہدویت ہے۔ جس مقدس وجود کو جماعتِ احمدیہ امام الزمان کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ عام طور پر احمدیہ لٹریچر میں "مسیح موعود" کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ نسبت حضرت مسیح ابن مریم کی طرف ہے لیکن ان کا اصل مقام مقامِ مہدویت ہے۔ جس کی نسبت براہِ راست حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور جن کے ظہور کی خبر ائمۂ فاطمیین کے علاوہ اہل سنت کے اکابر بھی دیتے چلے آرہے ہیں۔

نام و صفات

اس امام الزمان کا ذاتی نام غلام احمد ہے۔ آپ پنجاب کے ایک خوش قسمت گاؤں قادیان میں پیدا ہوئے۔ ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء یعنی ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ طبیعت میں شانِ امامت بچپن ہی سے پائی جاتی تھی۔ آپ لڑکپن سے ہی عصمتِ کبریٰ کے حامل معلوم ہوتے تھے۔ یوں اس زمانے میں بہت سے داعیانِ دین موجود تھے۔ مگر لوحِ محفوظ میں آپ کو ہی ناموسِ اکبر کا محافظ بنایا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء مسلمانوں کے لئے بڑا پُرآشوب زمانہ تھا۔ اسلام ہر طرف نرغۂ اعداء میں تھا۔ آپ نے اس وقت اسلام کے حالِ زار پر جو مرثیہ لکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعوت دعوتِ فاطمی سے کتنی مشابہ تھی۔ آپ فرماتے ہیں ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

حسب و نسب

فاطمیوں کے دینی ادب میں اس بات پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو فاطمی النسل

ہونا چاہیئے۔ ہم جب حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے شجرہ نسب پر غور کرتے ہیں تو آپ کا فاطمی النسل ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ:۔

"سادات کی جڑ یہی ہے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں۔ سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسل سادات میں سے تھیں۔ ہمارے خاندان میں یہ طریق جاری رہا ہے کہ کبھی سادات کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں آئیں اور کبھی ہمارے خاندان کی لڑکیاں اُن کے گھر گئیں۔"

(نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ ص۴۸)

پھر آپ تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی۔ اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکب ہوں۔" (تحفہ گولڑویہ ص۳۱)

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنے فاطمی الاصل ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ماہرین انساب نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ آپ کے شجرہ نسب میں جا بجا خواتین سادات نظر آتی ہیں۔ خود آپ کی شادی ایک سیدہ خاتون "نصرت جہاں بیگم" سے ہوئی جو دہلی کے ایک مشہور و معروف خاندانِ سادات سے تھیں۔

اصل بنی فاطمہ

آج جب ہم بنی فاطمہ کی اصل پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدس خاندان میں ایک ایرانی شاہزادی شہر بانو کا خون بھی رواں دواں ہے۔ آپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ حضرت امام زین العابدینؒ آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے جن سے دنیا میں اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام زندہ رہا۔ غرض آج دنیا میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو نسل پائی جاتی ہے وہ باپ کی طرف سے فاطمی ہے اور ماں کی طرف سے ایرانی۔ اس مبارک پیوند میں شاید خدا کی یہ حکمت تھی کہ دنیا پر فاطمیت کی حقیقت واضح ہو۔ اسے معلوم ہو کہ فاطمیت ایک پیڑ ہے جس پر عرب و عجم دونوں قلم لگا سکتے ہیں۔ وہ پیوند جس طرح بھی لگایا جائے فاطمیت اس پر غالب آ جاتی ہے۔ چنانچہ جب ہم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی طبیعت دیکھتے ہیں تو اس پر فاطمیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ آپ کا دادیالی رشتہ جو ایران کے ایک شاہی خاندان حاجی برلاس سے قائم ہوتا ہے۔ اس کو زیادہ اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ "یزیدی حقوق" کا زمانہ ہے ورنہ آپ اپنی صفات، طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے سراسر فاطمی نظر آتے ہیں۔ اور اگر ظاہری طور پر ان دونوں نسلوں کے اتحاد کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فاطمیت کے آغاز میں جب یزیدیت غالب آئی تو ایک ایرانی پیوند یعنی حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا کے ذریعہ فاطمیت کو دوبارہ زندگی بخشی گئی۔ اور اس عہد میں جب فاطمیت مغلوب ہوئی اور یزیدیت غالب آئی تو خدا نے پھر ایک ایرانی پیوند سے فاطمیت کے ٹمٹماتے چراغ کو روشن کیا۔

حضرت شہر بانو پھر جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں فاطمیت کی نشأۃ ثانیہ کے لئے حضرت شہر بانو کو کیوں منتخب کیا گیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں "یزیدیت" کے اتنے بال و پر نہیں نکلے تھے جتنے آج نکل آئے ہیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں فاطمیت کی "حیاتِ ثانیہ" کے لئے ایک ضعیف الخلقت وجود کا پیوند کافی تھا۔ لیکن آج کا حال بہت مختلف ہے۔ آج یزیدیت کے ہزاروں "بال و پر" نکل آئے ہیں اور یہ نجاب شیطان کی آغوش میں پل کر جوان ہو گیا ہے۔ اس پر غالب آنے کے لئے ایک قوی الخلقت پیوند کی ضرورت تھی اور اس پیوند کے لئے نگاہِ مشیت نے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو منتخب کیا۔

قادیان کی دمشق سے تشبیہ خود حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس گاؤں میں آپ کی پیدائش ہوئی وہاں کے ماحول پر یزیدیت غالب تھی۔ آپ نے اپنے مولد قادیان کو دمشق سے تشبیہ دی ہے۔ آپ کا ایک الہام ہے اخرج منہ الیزیدیون یعنی قادیان میں یزیدی لوگ رہتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ :-

"خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ قصبہ قادیان بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔"

(ازالہ اوہام حصہ اوّل صـ۲۱)

پھر چند سطر بعد لکھتے ہیں کہ :-

"اور اس بارہ میں قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا ہے کہ اخرج منہ الیزیدیون یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔" (ازالہ اوہام صـ۲۱)

اسی طرح آپ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"جیسا کہ یزیدی لوگ مثیلِ یہود ہیں ایسا ہی یہ مسیح جو اترنے والا ہے وہ بھی مثیلِ مسیح ہے اور حسینی الفطرت ہے۔ یہ نکتہ ایک نہایت لطیف نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ امام حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کی نظروں میں بہت عظمت اور رفعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا ہم رنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں کلام نہیں ہوگی۔" (ازالہ اوہام صـ۳)

آگے آپ فرماتے ہیں کہ :-

"اس استعارہ کو خدائے تعالےٰ نے اس لئے اختیار کیا کہ تا پڑھنے والے دو فائدے اس سے حاصل کریں۔ ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعۂ شہادت جس کی دمشق کے

لفظ میں بطور پیشگوئی اشارہ کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے۔ اس کی عظمت اور وقعت دلوں پر کھل جائے۔

دوسرے یہ کہ تا یقینی طور پر معلوم کر جاویں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کے کام انہوں نے کئے ایسا ہی مسیح جو اُترنے والا ہے وہ اصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کی روحانی حالت کا مثیل ہے اور اس جگہ بجز اس شخص کے کہ جس کے دل میں واقعہ حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہیئے۔ ہر ایک شخص اس دمشقی خصوصیت کو جو ہم نے بیان کی ہے بکمال انشراح صدر قبول کرے گا۔"　　　(ازالہ اوہام صفحہ ۷۲)

حسنی و حسینی طریقہ ان تمام تحریروں سے ظاہر ہے کہ حسینیت کا احیاء جو دعوتِ فاطمی کا بڑا مقصود ہے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی بعثت اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے۔ آپ کا ایک اور الہام ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جماعت احمدیہ کی کامیابی کے دو ہی طریق ہوں گے یعنی حسنی یا حسینی۔ چنانچہ "تذکرہ" میں آپ کا ایک الہام ہے کہ :-

"یہ جو مسجد مبارک کے پاس مکان ہے اس میں ہم کچھ حسنی طریق سے داخل ہوں گے اور کچھ حسینی طریق سے۔"
(تذکرہ صفحہ ۸۰۳ جدید ایڈیشن)

نظریہ اہل سنت پھر جب ہم اس نسبت پر اہل سنت والجماعت کے نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ایرانی الاصل پیوند اپنی نسلی اور جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر پہلے ہی فاطمیت کا ایک جزو بن گیا تھا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ایرانی دوست حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ سلمان **منا اھل البیت** یعنی سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔ پھر فرمایا کہ اسی سلمان یا سلمانیوں کی نسل سے ایک انسان پیدا ہوگا جو دعوتِ فاطمی کا صحیح مبلغ ہوگا اور روحانی اعتبار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک فرزند۔

آپ نے اپنی تحریروں میں بار بار اپنی اس فاطمی نسبت پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً تحفہ گولڑویہ، نزول المسیح اور سر الخلافہ۔ میں اس جگہ "سر الخلافہ" سے آپ کا ایک کشف نقل کرتا ہوں۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ "پنج تن پاک" رضی اللہ عنہم سے آپ کو کیسا قرب حاصل ہے۔

آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

حضرت علیؓ سے ملاقات

وانی رأیتہ وانا یقظان لا فی المنام۔ فاعطانی تفسیر کتاب اللہ العلام وقال ھٰذا	اور میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا۔ اس وقت میں بیدار تھا نہ کہ سویا ہوا۔ پس آپ نے مجھے قرآن پاک کی ایک تفسیر دی اور کہا کہ یہ

تفسیری والاٰن اولیتَ فهنیتَ
بما اوتیت فبسطتُ یدی
واخذت التفسیر وشکرت الله
المعطی القدیر۔ ووجدتُه
ذا خَلق قویم وخُلق صمیم
ومتواضعًا منکسرًا ومتهللًا
منورًا۔ واقول حلفًا لا تانی
حبًّا والفًا والقی فی روعی
انه یعرفنی وعقیدتی ویعلم
ما اخالف الشیعة فی
مسلکی ومشربی ولکن ما
شمخ بانفه عنقًا وما نأی
بجانبه انقًا بل وافانی
وصافانی کالمحبین المخلصین
فاظهر المحبة کالمصافین الصادقین۔

حضرت امام حسین وغیرہ سے ملاقات

وکان معه الحسنین بل
الحسینان وسید الرسل
خاتم النبیین۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی زیارت

وکانت معهم فتاة جمیلة
صالحة جلیلة مبارکة مطهرة
معظمة موقرة باهرة السفور
وظاهرة النور وجدتُها
ممتلأة من الحزن ولکن
کانت کاتمة۔ والقی فی روعی
انها الزهرا فاطمة۔ فجاءتنی

میری تفسیر ہے اور اب تُو سرفراز ہوا۔
اور تجھے یہ منصب مبارک ہو۔ پس میں
نے وہ تفسیر لے لی اور اللہ کا شکر
ادا کیا۔ اور میں نے آپ کو مضبوط جسم
اور مضبوط اخلاق، متواضع، منکسر
خوش مزاج اور خندہ رُو پایا۔ اور میں
بخدا کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے محبّت اور
الفت کے ساتھ پیش آئے اور میرے
دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ مجھے پہچانتے
ہیں اور میرے عقیدے سے واقف
ہیں کہ میں اپنے مسلک میں شیعوں
کا مخالف ہوں لیکن انہوں نے
بُرا نہ منایا۔ نہ مجھ سے پہلوتہی
کی۔ بلکہ مجھ سے خالص دوستوں کی طرح
اظہار محبت کرتے رہے۔

اور ان کے ساتھ حسینؓ تھے بلکہ
حسنؓ اور حسینؓ اور سید الرسل خاتم النبیین
(صلی اللہ علیہ وسلم) بھی۔

اور ان سب کے ساتھ ایک خوبرو،
نیک، بزرگ، مبارک، پاک، قابلِ تعظیم و توقیر
خندہ رُو روشن چہرہ خاتون بھی تھیں۔
اور میں نے انہیں غمگین پایا مگر وہ اپنا غم
چھپا رہی تھیں اور میرے دل میں یہ بات
ڈالی گئی کہ یہ حضرت فاطمۃ الزھرا
رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ میرے پاس آئیں

آپ کا بنی فاطمہ ہونا

وانا مضطجع فقعدت و
وضعت رأسي على فخذها و
تلطفت ورأيت انها ببعض
حزني تحزن وتضجر وتحنّ
وتقلق كامهات عند مصائب
البنين. فعلمت انى
نزلت منها بمنزلة
الابن فى علق الدين
وخطر فى قلبى ان حزنها
اشارة الى ماسارى ظلماً
من القوم واهل الوطن
والمعادين -

حضرات حسنین سے ملاقات

ثم جاء فى الحسنان وكانا
يبديان المحبة كالاخوان
ووافيانى كالمواسين وكان
هذا كشفاً من كشف اليقظة
وقد مضت عليه برهة من
سنين -

حضرت علیؓ و حسینؓ سے لطیف مناسبت

ولى مناسبة لطيفة
بعلى والحسين ولا يعلم
سرّها الا ربّ المشرقين
والمغربين وانى احبّ
عليّاً وابنيه واعادى
من عاداه -

(سر الخلافۃ صـ ۳۴-۳۵)

وہ بیٹھ گئیں۔ اور میرا سر اپنے زانو
پر رکھ لیا اور لطف سے پیش آئیں۔
اور میں نے دیکھا کہ وہ میرے غموں کی
وجہ سے غمگین ہیں جس طرح ماں اپنے
بیٹے کی مصیبت کے وقت غمگین ہوتی
ہے۔ پس مجھے یہ بتایا گیا کہ میں دینی
رشتہ کی طرف سے آپ کے
بیٹے کے رتبہ پر ہوں۔
اور میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ ان
کا غم قوم اور اہلِ وطن کے ان مظالم کی
وجہ سے ہے جو میں عنقریب دیکھنے
والا ہوں۔

پھر میرے پاس حسنؓ و حسینؓ آئے
اور وہ دونوں بھائیوں کی طرح غمخواری
کر رہے تھے۔

اور یہ کشف تھا بیداری کے
کشوف میں سے اور اس پر چند سال
گزر چکے ہیں۔

اور مجھے علیؓ اور حسینؓ سے
ایک لطیف مناسبت ہے۔ اس کا
بھید خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
اور میں علیؓ اور ان کے دونوں
لڑکوں سے محبت کرتا ہوں اور
اس کو دشمن سمجھتا ہوں جو ان کا دشمن
ہے۔

یہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا ایک کشف ہے۔ اور فاطمی سلسلہ میں کشوف کی اہمیت مسلّم ہے بلکہ فاطمیوں کا سارا سلسلۂ امامت ایسے ہی روحانی معاملات پر قائم ہے۔

الہامی استدلال حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنے بنی فاطمہ ہونے پر اور کئی طرح استدلال کیا ہے لیکن ان استدلالات کا ماخذ زیادہ تر الہامی ہے۔ اور یہ امر ائمۂ فاطمیین میں مسلّم ہے کہ امام الزمانؑ کا پنجتن پاک اور خدا سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ وہ براہِ راست ان سے فیوض حاصل کرتے ہیں اور ان ذرائع سے ان پر طرح طرح کے روحانی اسرار کا انکشاف ہوتا ہے۔ چنانچہ روحانی اور نسلی اعتبار سے آپ کے بنی فاطمہ ہونے کا جو انکشاف ہوا وہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کا ایک الہام ہے :۔

الحمد للہ الذی جعل لکم	تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے تجھ کو بنی فاطمہ
الصھر والنسب اشکر نعمتی	اور ایرانی الاصل ہونے کا شرف بخشا۔ میری نعمت
رأیت خدیجتی۔	کا شکر ادا کرو کہ تم نے میری خدیجہ کو دیکھ لیا۔

آپ کا یہ الہام براہین احمدیہ میں درج ہے جو آپ کی قبل از دعویٰ کی تصنیف ہے۔ آپ نے اپنے اس الہام کی تحفہ گولڑویہ اور نزول المسیح میں تشریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ الہام میرے بنی فاطمہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔

صِہر اور نسب اِس الہام میں دو الفاظ قابلِ غور ہیں یعنی صِہر اور نسب۔ صِہر کے معنی "داماد" کے ہیں۔ اور نسب سے مراد دادہالی "شجرۂ نسب" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ صِہر کا ذکر کر کے آپ کے خاندان کے ان افراد کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ جنہیں بنی فاطمہ کا داماد بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ خود آپ کا شمار بھی انہیں مبارک لوگوں میں ہے۔

آپ کی شادی ایک ایسی خاتون سے ہوئی جو شیعہ اثنا عشری کے گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تھیں۔ آپ کا شجرۂ نسب سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی حضرت بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا اکتالیسویں پشت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ آپ کا اسم شریف "نصرت جہاں بیگم" ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام میں "خدیجہ" آپ کو ہی کہا گیا ہے۔

مقاماتِ خدیجہؓ یہ خطاب جو آپ کو خدا نے دیا ایک بڑی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ دنیا میں بنی فاطمہ کی ایک نسل پھیلی اسی طرح اب حضرت "نصرت جہاں بیگم" رضؓ کے ذریعہ دنیا میں ایک نسل پھیلے گی جو بنی فاطمہ کے قائم مقام ہوگی۔

ایرانی اجداد یہ کتنی اہم بات ہے کہ آپ کے جو ایرانی النسل آباؤ اجداد تھے ان کے متعلق تو خدا کہتا ہے کہ :۔

ینقطع اٰبآءک ویبدء منک	اب تجھ سے نسل کی ابتداء ہوگی اور باپ دادے

عن اباءٰنک - (الہام مسیح موعودؑ) کی طرف سے نسل منقطع کی جائے گی۔
مگر آپ کے نکاح میں جو فاطمی خاتون آئیں اُن کے متعلق یہ بشارت دی جاتی ہے کہ اب انہیں سے نسل چلے گی۔ کیا یہ اس طرف اشارہ نہیں کہ اب آپ کے خاندان پر فاطمیت غالب آجائے گی اور اب آپ کی اولاد "پنجتن پاک" کی قائم مقام ہوگی جن کے ذریعہ پھر دنیا میں بی بی فاطمہ کا نام روشن ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ چنانچہ آپ خود اپنی اس اولاد کے متعلق جو حضرت نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ فرماتے ہیں ؎

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہے پنجتن جس پر بنا ہے

میں اس جگہ وہ بشارات بھی درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کو اس مبارک خاتون کے متعلق دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی نسل میں اس مبارک پیوند کی کتنی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

۱- میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک اور شادی کراؤں۔
۲- یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا اور تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔
۳- وہ قوم کے شریف اور عالی نسب ہوں گے۔
۴- اس شہر کا نام دہلی ہے۔
۵- یہ بیوی ایک مبارک نسل کی ماں ہوگی۔
۶- اللہ تعالیٰ اس نسل سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔
۷- اور اس نسل سے ایک وہ شخص بھی پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔
۸- وہ بیوی کنواری شادی میں آئے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی عرصہ تک زندہ رہے گی۔
۹- تیری نسل ملکوں میں پھیل جائے گی اور یہ ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔
۱۰- اس نسل کو خاندان کے دوسرے افراد پر یہ امتیاز ہوگا کہ یہی بڑھیں گے اور جدی بھائیوں کی ایک شاخ کاٹ دی جائے گی۔ ہاں جو توبہ کریں گے وہ بچا لئے جائیں گے۔

(منقول از سیرت ام المومنین نصرت جہاں بیگم صفحہ ۵۰-۵۸)

اللہ اللہ یہ کس عظیم خاتون کی مرزا غلام احمد علیہ السلام کے عقد میں آمد آمد کا غلغلہ ہے !

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو بی بی فاطمہ اور دعوتِ فاطمی سے جو مناسبت تھی اس کے متعلق آپ کی کچھ اور تحریریں درج کرتا ہوں تا یہ معلوم ہو کہ آپ کے دل میں جذبۂ فاطمیت و حسینیت کا کتنا جوش تھا۔ آپ اپنے ایک رسالہ

"تبلیغ حق" میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

امام حسینؓ کی اقتداء

"اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔

یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو اُن میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔

دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔" (تبلیغ حق۔ بحوالہ بشارات احمدؒ)

آپ کا علی بن جانا

ایک اور امر جس طرف میں قارئین کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا عالم رؤیا میں حضرت علی بن جانا ہے۔ آپ اپنی تصنیف "آئینہ کمالات اسلام" میں لکھتے ہیں کہ :-

"۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو ایک اور رؤیا دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بن گیا ہوں۔ یعنی خواب میں ایسا معلوم کرتا ہوں کہ وہی ہوں۔ اور خواب کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اپنے تئیں دوسرا شخص خیال کر لیتا ہے۔ سو اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور ایسی صورت واقعہ ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے یعنی وہ گروہ میری خلافت کے امر کو روکنا چاہتا ہے اور اس میں فتنہ انداز ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہیں اور شفقت اور تودد سے مجھے فرماتے ہیں :-

یا علی دعھم و انصارھم و زراعتھم

یعنی اے علی! ان سے اور ان کے مددگاروں اور ان کی کھیتی سے کنارہ کر۔" (حاشیہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۱۸)

آپ کا یہ خواب ایک نہایت اہم روحانی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی عالم میں آپ مثیل علی مرتضیٰ ہیں۔ اور یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت نصرت جہاں بیگم مثیل خدیجہؓ ہیں۔ کتنا مبارک پیوند ہے۔ اور اس کے ذریعہ کیسی بابرکت نسل کے ظہور میں آنے کی بشارت دی گئی ہے۔

میں اس امر پر بار بار غور کرتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے عقیدے کے مطابق اُمّت کا سب سے افضل فرد حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں۔ مگر سیدنا احمد علیہ السلام کو حضرت علی مرتضیٰ سے جتنی روحانی قربت ہے اتنی کسی اور صحابی سے نہیں۔

ائمہ اثنا عشر

پھر شیعوں اور سنیوں کے درمیان "مسئلہ مہدویت" میں جو اختلاف ہے۔ اس کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اس جگہ مجھے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس مسئلہ میں شیعہ اور سنت جماعت میں جو اختلاف ہے اس میں کسی تاریخی غلطی کو دخل نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کی بعض سادات کرام کے کشف لطیف پر بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ائمہ اثنا عشر نہایت درجہ کے مقدس اور راستباز اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر کشف صحیح کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس لئے ممکن اور بالکل قرین قیاس ہے جو بعض اکابر ائمہ نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر اس مسئلہ کو اسی طرز اور اسی اصل سے بیان کیا ہو جیسا کہ ملاکی نبی نے ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کا حال بیان کیا تھا اور جیسا کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا شور مچا ہوا ہے اور درحقیقت مراد صاحب کشف کی یہ ہوگی کہ کسی زمانہ میں اس امام کے ہم رنگ ایک اور امام آئے گا جو اس کا ہمنام اور ہم قوت اور ہم خاصیت ہوگا۔ گویا وہی آئے گا۔"
(ازالہ اوہام صفحہ ۹۱)

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ نسل و خون کے علاوہ صفات و طبیعت میں بھی بنی فاطمہ سے آپ کو کتنی قربت ہے۔ خصوصاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا یہ قول تو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ:۔

"اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اُن کو ملی تھی۔"

کیا اس کے بعد یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ آپ کا قدم ائمہ مطہرین کے نقش قدم پر ہے؟ اور اس قول کا منشاء بھی یہی ہے کہ آنے والا مہدی بنی فاطمہ میں سے ہے۔

ایرانی اور فاطمی ہونے کی دلیل

یہ امر غور طلب ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنے ایرانی اور فاطمی ہونے کے جو دلائل دیئے ہیں ان میں اپنے فاطمی ہونے پر تو الہام الٰہی کے علاوہ شجرہ نسب سے بھی استدلال کیا ہے لیکن اپنے ایرانی ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"ہاں میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الٰہی کے اور کوئی ثبوت نہیں۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹)

اس سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ بہ نسبت ایرانی ہونے کے آپ کا فاطمی ہونا زیادہ واضح و مستند ہے۔ اگرچہ آپ کے فارسی الاصل ہونے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ الہام الٰہی اس کا مؤید ہے۔ مگر یہ نسبت ایسی ہی ہوگی جیسے یہ کہا گیا ہے کہ آنے والا مسیح اسرائیلی ہوگا اور اس نسبت کے لئے اتنا سا ثبوت کافی سمجھا گیا کہ بنی فارس بنی اسحاق میں سے ہیں مگر ظاہر ہے کہ ان تمام تعلقات میں بنی فاطمہ سے آپ کا جو تعلق ہے وہ زیادہ مستحکم ثابت ہوگا۔ اس لئے آپ نے اپنی تحریروں میں بار بار یہ لکھا ہے کہ میں بنی فاطمہ کے ساتھ امہاتی تعلق رکھنے کے باعث فاطمی بھی ہوں۔ (دیکھئے تحفہ گولڑویہ اور نزول المسیح)

فلسفۂ غیبتِ امام

جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ فرقہ اثنا عشری کا جو یہ خیال ہے کہ بارھویں امام یعنی حضرت محمد بن حسن عسکری سامرہ کے سرداب نامی غار میں روپوش ہو گئے ہیں اور وہی "امام منتظر" ہیں - انتظار کی وہ گھڑی ختم ہو گئی۔ وہ امام منتظر آ گئے غیبتِ امام کا فلسفہ معلوم ہو گیا۔

اسی طرح بوہیرہ جو یہ کہتے ہیں کہ اکیسویں امام حضرت امام طیب کے بعد ائمہ دورِ ستر میں چلے گئے ہیں۔ وہ دنیا میں ہیں تو ضرور مگر لوگوں کی آنکھوں سے روپوش ہیں اور آجکل اُن کے قائم مقام دعاۃ مطلقہ ہیں جو سلسلہ مستعلویہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ائمہ کا وہ دورِ ستر ختم ہو گیا اور وہ امامِ کامل جن کے ظہور کے مستعلوی منتظر ہیں ان کا ظہور ہو گیا۔

جماعت احمدیہ کا فلسفۂ امامت یہ ہے کہ ہر سلسلہ میں ایک مہدیٔ موعود کے ظہور کی جو خبر دی گئی ہے وہ تمام آثار و اخبار ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہر زبان اور ہر سلسلہ میں اُن کے نام الگ الگ ہوں مگر متعدد القاب و خطابات کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ذات بھی متعدد ہو گئی۔ ذات واحد ہے اور اس کے القاب و خطابات الگ الگ ہیں۔

فرقۂ اثنا عشری، فرقۂ مستعلوی اور فرقۂ اہل سنت والجماعت تینوں ظہورِ مہدی کے منتظر ہیں۔ اگر ان تینوں کے لئے تین مہدی الگ الگ آئیں تو ظاہر ہے کہ یہ مقصدِ امامت کے خلاف ہوگا۔ امام کا مقصد حکم و عدل ہونا ہے اور اگر حکم و عدل تین الگ الگ مسلک کے ہوں اور تینوں کو اپنے اپنے مسلک و مشرب کے نفاذ پر اصرار ہو تو پھر امام کا ظہور امت کے پراگندہ شیرازے کو مجتمع کرنے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس طرح تو مسلمانوں کے قومی عناصر میں اور

بے ترتیبی پیدا ہو جائے گی اور اماموں کا ظہور مسلمانوں کے لئے پیغام زندگی نہیں بلکہ پیام موت ہوگا۔ اس لئے جماعت احمدیہ کا موقف یہ ہے کہ امامت ایک منصب ہے۔ یہ منصب فرقہ اثنا عشری کی نظروں سے بارھویں امام کے بعد میں اوجھل ہو گیا۔ اور فرقہ مستعلیہ کے نزدیک اکیسویں امام کے بعد دور ستر میں چلا گیا یعنی انڈر گراؤنڈ سلسلہ بن گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی اپنی نظر کا قصور ہے۔ منصب امامت کبھی اوجھل ہوا نہ مستور۔ وہ تو جاری و ساری ہے اور اہل معرفت ہمیشہ اس کے حلقہ بگوش رہے ہیں۔ مجدد اور دعاۃ یہ سب امامت ہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ البتہ ایک امام کامل کے ظہور کی خبر ہر سلسلہ میں دی گئی ہے۔ فرقہ اثنا عشریہ و فرقہ مستعلیہ کے علاوہ اہل سنت والجماعت بھی ایک امام کامل کے ظہور کے منتظر ہیں۔ سنیوں کے تمام صوفیاء و اولیاء نے بھی ایک ایسے امام کے ظہور کی بشارت دی ہے اسلئے جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ان تمام سلسلوں کی مراد ایک ہی وجود سے ہے۔ مگر وہ انہیں اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اس نزاع کا کتنا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

> "اور احادیث نے اس زمانہ کو تین پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ رجل فارسی کا زمانہ، مہدی کا زمانہ، مسیح کا زمانہ۔ اور اکثر لوگوں نے ان تین ناموں کی وجہ سے تین علیحدہ علیحدہ شخص سمجھ لئے ہیں اور تین قومیں ان کے لئے مقرر کی ہیں۔ ایک فارسیوں کی قوم، دوسری بنی اسرائیل، تیسری بنی فاطمہ۔ مگر یہ تمام غلطیاں ہیں۔ حقیقت میں یہ تینوں ایک ہی شخص ہے جو تھوڑے تھوڑے تعلق کی وجہ سے کسی قوم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔"
>
> (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹)

جماعت احمدیہ کا دینی نظام

جماعت احمدیہ اور اہل سنت کا دینی نظام بالکل ایک سا ہے۔ اور اگر فلسفۂ امامت سے دیکھا جائے تو پھر فرقہ مستعلیہ یعنی بوا ہیر کا دینی نظام بھی ان دونوں نظاموں سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانی جماعت احمدیہ نے اپنے عقائد کا جو خلاصہ بیان کیا اور جو ہر احمدی کو مال و جان سے عزیز تر ہے وہ یہ ہے کہ :-

> "ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ اور ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خیر المرسلین ہیں۔ جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا ہے اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اسکے

شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی وحی یا الہام من جانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام قرآنی کی تنسیخ یا کسی حکم کی تبدیلی یا تغیر کرسکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد و کافر ہے۔

اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ راہِ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسل کے حاصل ہوسکیں۔ کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت و قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل نہیں کرسکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۹)

مذکورہ بالا حوالہ میں کوئی جملہ ایسا نہیں جس سے اہل سنت والجماعت یا جماعت بوا میر انکار کرسکے۔

صحابہ کرامؓ

میں جس طور سے جماعتِ احمدیہ کا تعارف کرا رہا ہوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عدول ہونے کے متعلق بھی جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ بیان کردوں تا کسی کو شبہ نہ رہے۔ پنجتن پاک کے متعلق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا جو عقیدہ ہے وہ بہت تفصیل سے بیان کرچکا ہوں۔ آپ نے اپنے آپ کو بنی فاطمہ اور حسینی الفطرت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملعون قرار نہیں دیا بلکہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے یعنی الصحابۃ کلھم عدولٌ آپ فرماتے ہیں:-

انّ الصحابۃ کلّھم کذکاءٍ	سارے صحابہ کرامؓ سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے
قد نوّروا وجہ الوریٰ بضیاءٍ	مخلوق کے چہرے کو اپنی روشنی سے منور کر دیا۔
ترکوا اقاربھم وحبّ عیالھم	انہوں نے اپنے اقارب اور اولاد کی محبت چھوڑی اور
جاءوا رسول اللہ کالفقراءٖ	رسول اللہ صلعم کے پاس فقیروں کی طرح آگئے۔
الصالحون الخاشعون لربّھم	وہ اللہ کے نزدیک نیک اور فروتنی کرنے والے ہیں۔
البائتون بذکرہٖ وبکاءٖ	وہ رات خدا کی یاد اور گریہ و زاری میں بسر کرنیوالے ہیں۔
قومٌ کرامٌ لا نفرّق بینھم	وہ ایک بزرگ قوم ہے ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔
کانوا لخیر الرسل کالاعضاءٖ	وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اعضاء کی طرح تھے۔

وتخیّروا للہ کل مصیبۃ — انہوں نے اللہ کے لئے ہر مصیبت پسند کی۔
وتھللوا بالقتل والاجلاء — قتل اور جلاوطنی کی مصیبت بھی انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کی۔
(سرالخلافہ صفحہ ۴۹)

یزید پلید

البتہ کردار یزید میں آپ تمام اہل سنت والجماعت کے ساتھ نہیں۔ وہ لوگ جو یزید کو خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ اور اس کو متقی و پارسا ثابت کرتے ہیں جیسے۔ انہی دنوں ایک شخص محمود احمد عباسی نے ایک کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے نام کی لکھی ہے جس میں یزید کو خلیفہ برحق، امیرالمومنین اور رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہا گیا ہے۔ ان لوگوں کے سخت مخالف ہیں۔ آپ کا یزید کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ناپاک طبع اور دنیا کا کیڑا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع اور دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کے رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔"

پھر آپ ایمان اور مومن کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر و مطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔" (تبلیغ حق)

میں اوپر نقل کر آیا ہوں کہ آپ ائمہ اہل بیت کی ولایت کے معترف تھے۔ انہیں ملہم اور صاحب کشوف و کرامات تسلیم کرتے تھے۔ اب اس جگہ یہ بھی واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ آپ ائمہ اہل سنت والجماعت کی بزرگی و عظمت کے بھی قائل تھے۔ اور تصوف و فقہ کے چاروں سلسلوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ

"یہ چار امام (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ) اسلام کے واسطے مثل چاردیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہو جاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہو سکتی۔" (اخبار البدر قادیان ۳ نومبر ۱۹۰۲ء)

امام جعفر صادقؓ اور امام ابوحنیفہؒ کا مکالمہ

میں اس جگہ ائمہ اربعہ میں سے خاص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی منقبت کے متعلق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا ایک قول پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ اسماعیلی لٹریچر میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فیض یافتہ کہا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ امام ابوحنیفہؒ

قیاس کو قرآن وسنت پر ترجیح دیتے ہیں تو آپ نے امام ابو حنیفہؒ سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے اس الزام سے برأت ظاہر کی اور کہا کہ اگر میں قیاس کو قرآن وسنت پر ترجیح دیتا تو عورت ایام حیض میں جو نماز ترک کرتی اور روزے افطار کرتی ہے اس کے متعلق کہتا کہ ایام حیض سے فارغ ہونے کے بعد اس کو نماز کی قضاء کرنی چاہیئے اور روزہ کی قضاء معاف ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ ارکانِ اسلام میں نماز روزے سے زیادہ افضل واہم ہے۔ قیاس یہ چاہتا ہے کہ اگر حائضہ عورت پر ارکانِ اسلام میں سے کسی کی قضاء واجب ہے تو اس پر اُن نمازوں کی قضاء واجب ہونی چاہیئے جو وہ ایام حیض میں ترک کرتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کی نماز معاف کر دی ہے اور روزوں کی قضاء کا حکم دیا ہے اس لئے میں بھی خلافِ قیاس یہی بات کہتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں قرآن وسنت پر قیاس کو ترجیح دیتا تو مسئلہ وراثت میں اس بات کا قائل ہوتا کہ عورت کو مرد سے دگنا حصہ ملنا چاہیئے اس لئے کہ عورت ضعیف الخلقت وجود ہے اور عقل چاہتی ہے کہ اس کا زیادہ خیال کیا جائے اور اس کا حصہ مرد سے زیادہ ہو۔

اسماعیلی لٹریچر میں آتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوئے اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی خدمت میں رہ کر بہت کچھ فیوض حاصل کئے۔

بہرکیف حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام امام ابو حنیفہؒ کے اس علو مرتبت کے معترف تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ آپ کے تفقہ، دینی بصیرت اور عظیم شخصیت کا اعتراف کیا ہے (اس کے لئے دیکھئے ازالہ اوہام ص۵۳۰ اور الحق مباحثہ لدھیانہ)

اسی طرح آپ اُمت کے روحانی بزرگوں کا بھی ہمیشہ عزت واحترام سے ذکر کرتے تھے خصوصاً غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

صوفیاء کا روحانی تلمذ

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی درحقیقت آپ کے بنی فاطمہ ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ اس لئے کہ یہ بات تمام صوفیاء کے نزدیک مسلّم ہے کہ معارف وروحانیت کے تمام فیوض پنجتن پاک کے واسطے سے ملتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا صوفی یا ولی ہو جس نے خواب یا کشف میں ان بزرگوں سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ خود حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا ایک کشف میں "سر الخلافۃ" کے حوالے سے اُوپر نقل کر آیا ہوں جس میں آپ نے حضرت علی، حسن، حسین اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم سے عالم بیداری میں ملاقات کی ہے اور جس سے معلوم ہوتا کہ آپ کے ظہور کے بعد پھر دنیا میں ایک فاطمی سلسلہ جاری ہونے والا ہے۔

جب روحانی معاملہ یہ ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ایک صوفی، مجدد اور نبی جیسے آدمی کی بزرگی کا قائل نہ ہو جو دربار بنی فاطمہ میں کسب فیوض کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے شیعوں اور سنیوں کے ائمہ اور اُمت کے روحانی سلسلوں سے اسی لئے اظہارِ عقیدت کیا کہ یہ تمام اکابر اُمت روحانی طور پر بنی فاطمہ ہیں اور سیدنا حسین مظلوم

کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے۔

عملی زندگی

جماعت احمدیہ کا تعارف کراتے ہوئے اب اس کی عملی زندگی کا سوال آتا ہے۔ سو واضح ہو کہ جماعت احمدیہ بھی فرقہ اسماعیلیہ کی طرح ایک منظم جماعت ہے۔ البتہ دونوں کے مقصدِ تنظیم میں بڑا فرق ہے۔ ایک تنظیم کا مقصد اخفاء و پوشیدگی ہے تو دوسری کا اعلان و اظہار۔ ایک کی تنظیم محض برائے تنظیم ہے تو دوسرے کی تنظیم "تنظیم برائے زندگی" ہے۔ ایک کو صرف اپنی فکر ہے تو دوسرے کے دل میں سارے جہان کا درد ہے۔ ان دونوں تنظیموں کا فرق بس اس شعر میں پڑھ لیجئے ؎

آں یکے گلیمِ خویش بدر می برد ز موج
ویں جہد می کند کہ بگیرد غریق را

جماعت احمدیہ کی تنظیم کا مقصد ڈوبتوں کو بچانا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے دنیا کو طوفانِ حوادث سے بچانے کے لئے ایک کشتی بنائی ہے اس کا نام "کشتیٔ نوح" ہے۔ خود آپ اپنے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ ؎

دامنم ہمچو کشتیٔ نوحم ز کردگار
بے فیض آنکہ دور بماند ز لنگرم

آپ نے دنیا کو طوفانِ ضلالت سے نجات دلانے کے لئے کیا منصوبہ بنایا۔ اور یورپ کے ایوانوں، امریکہ کے مرغزاروں اور افریقہ کے صحراؤں میں کس طرح اس کی منادی کی۔ اس کا ایک ہلکا سا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

تسخیر یورپ

اُس وقت جب انگریزوں کی قسمت جوان تھی اور یورپ کی علمی برتری اور جاہ و اقتدار کا ڈنکا اکناف عالم میں بج رہا تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے جماعت احمدیہ کو تسخیرِ یورپ کی طرف متوجہ کیا اور کارکنوں اور محنت کشوں کی یہ مختصر سی جماعت فاتحانہ طور پر بلادِ یورپ میں داخل ہو گئی۔ آپ نے ایک مرتبہ جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کی اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیرِ حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سفید لوگ قبولِ اسلام کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔" (اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

تبلیغِ اسلام کا یہی کامیاب منصوبہ آپ کے امام الزمان ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ مشیّتِ الٰہی ہر عہد میں اپنے دین کا بول بالا چاہتی ہے۔ اس کے لئے کبھی وہ ائمہ فاطمیین کو منتخب کرتی ہے اور کبھی ان کے حقیقی جانشینوں کو۔ اس عہد میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے انسان کو اس منصبِ امامت کے لئے انتخاب کیا جو ایک جہت سے ایرانی و اسرائیلی ہے اور دوسری جہت سے فاطمی۔ خدا نے جو گراں قدر خدمت ان کو تفویض کی ہے اس کی شاندار کامیابی کا ایک منظر بھی آپ کو دکھایا چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منوّر کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت ہی مدلّل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے۔" (ازالہ اوہام)

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے ان زرّیں اقوال کے بعد اس جواں بخت و اولوالعزم جماعت نے دیارِ یورپ کو مسخر کرنے کی ٹھان لی۔ مالی و جانی قربانی کے لئے جماعت کے افراد آگے بڑھے۔ ایک خاص تحریک "تحریک جدید" کے نام سے قائم کی گئی۔ تبلیغی منصوبے بنائے گئے اور پھر اس مہم کو سر کرنے کے لئے ایک "پنج ہزاری" فوج مرتب کی گئی۔ اس ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ جماعت احمدیہ یورپ، امریکہ اور افریقہ کی طرف بڑھی اور چند ہی سالوں میں اہم اہم ناکوں پر بڑے بڑے مورچے بنا لئے۔ مرکزی شہروں میں تبلیغی مشن کھولے گئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ پریس و اخبارات کے ذریعہ اسلام کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔ تعلیم و تربیت کے لئے مدارس و اسکول جاری کئے گئے۔ اور سب سے محیّر العقول کارنامہ یہ کہ مشرق و مغرب کو منبعِ اسلام سے روشناس کرانے کے لئے قرآن شریف کے تراجم کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا جس کے ماتحت آج تک ایک درجن سے زیادہ بڑی بڑی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور باقی زبانوں میں بھی ترجموں کا سلسلہ جاری ہے۔ میں ذیل میں ان کارناموں کا ایک خاکہ پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تا جماعت احمدیہ کی عملی زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔

تراجم قرآن مجید

جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام آج تک مندرجہ ذیل زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

انگریزی۔ اس ترجمہ کی اشاعت دو طریقوں سے ہوئی ہے۔ پہلا ایڈیشن جو نکلا اس میں ترجمہ کے ساتھ تفسیر بھی ہے لیکن دوسرے ایڈیشن میں تفسیر حذف کر دی گئی ہے اور عربی عبارت کے سامنے صرف انگریزی ترجمہ ہے۔

دیباچہ تفسیر قرآن

ان دونوں ایڈیشنوں کے آغاز میں ایک مقدمہ بھی ہے جو امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے ایڈیشن کے دیباچۂ تفسیر کے ایک باب میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر اور جامع سیرت ہے اور دوسرے ابواب میں مجملاً اور باتوں کے قرآنی تعلیمات کا دوسرے مذاہب کی تعلیمات سے موازنہ بھی ہے۔ دوسرے ایڈیشن کا کاغذ، طباعت اور جلد انتہائی دیدہ زیب ہے۔

انگریزی کے بعد یورپ کی بڑی بڑی زبانوں میں سے مندرجہ ذیل زبانوں میں ترجمے مکمل ہو چکے ہیں اور ان میں سے اکثر کی اشاعت بھی ہو چکی ہے۔

ڈچ - ہالینڈ کی زبان ہے۔
فرانسیسی - یورپ کی سب سے شیریں اور ادبی زبان ہے۔
جرمنی - جو یورپ کی علمی اور سائنسی زبان سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پرتگیزی، اطالوی، ہسپانوی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

افریقہ کی سواحیلی زبان یورپ کے بعد جماعت احمدیہ کی نظر براعظم افریقہ پر پڑی اور اس ملک کی سب سے مشہور، مقبول اور مروج زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا۔ اس کو "سواحیلی" بولتے ہیں۔ آج افریقہ میں جماعت احمدیہ کا شائع کردہ یہی قرآن مجید سب سے زیادہ مقبول ہے اور بہتوں کی ہدایت کا موجب بنا ہوا ہے۔

روسی اور دوسری زبانیں ان ترجموں کے علاوہ روسی، ملائی، انڈونیشی، پرتگیزی، اطالوی، ہسپانوی .... فیجین، ہندی اور گورمکھی میں ترجمے مکمل ہو چکے ہیں۔

تعمیر مساجد تعمیر مساجد کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ آج تک مختلف مقامات میں حسب ذیل مساجد تعمیر کر چکی ہے:-

اسماء ممالک	تعداد مساجد	اسماء ممالک	تعداد مساجد
انگلستان	۱	جرمنی	۲
امریکہ	۳	ہالینڈ	۱
گولڈ کوسٹ	۱۵۱	ملایا	۲
نائیجیریا	۱۹	فری ٹاؤن	۱
ماریشس	۱	انڈونیشیا	۲۴
مشرقی افریقہ	۳	سیلون	۱
بورنیو	۳	شام	۱
سیرالیون	۲۵	میزان	۲۲۷

مدارس و مکاتب اسی طرح جماعت احمدیہ نے مسلم و غیر مسلم ممالک کی تعلیم و تربیت کے لئے مدارس و مکاتب کا سلسلہ بھی جاری کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے:-

ملک	تعداد	ملک	تعداد
سیرالیون	۴۰ سکول	سنگاپور	۱ سکول
گولڈکوسٹ	۱۲ "	مشرقی افریقہ	۱ "
نائیجیریا	۱۰ "	انڈونیشیا	۱ "
فلسطین (اسرائیل)	۱ "		۶۶ "

ان درسگاہوں کے ذریعہ غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات سے قریب تر کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو امام الزمانؑ کے وجود سے متعارف کرایا جاتا ہے اور ان میں خدمتِ اسلام کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔

اخبارات و رسائل موجودہ تہذیب میں اخبارات و رسائل کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ جماعت احمدیہ بھی تبلیغی جدوجہد کو مؤثر و بار آور بنانے کے لئے مختلف مقامات سے اخبارات و رسائل نکال رہی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

اسماء رسائل	مقامِ اشاعت
۱۔ دی اسلام	جرمن زبان میں سوئٹزرلینڈ سے شائع ہوتا ہے۔
۲۔ الاسلام	ڈچ زبان میں ہالینڈ سے شائع ہوتا ہے۔
۳۔ دی ٹروتھ	انگریزی زبان میں نائیجیریا سے شائع ہوتا ہے۔
۴۔ افریقن کریسنٹ	" " سیرالیون سے شائع ہوتا ہے۔
۵۔ دی میسیج	" " بورنیو سے شائع ہوتا ہے۔
۶۔ ایسٹ افریقن ٹائمز	" " مشرقی افریقہ سے شائع ہوتا ہے۔
۷۔ سن رائز	" " گولڈ کوسٹ سے شائع ہوتا ہے۔
۸۔ لے پروگریس اسلامک	فرانسیسی زبان میں ماریشس سے شائع ہوتا ہے۔
۹۔ MAPENZIEYA MANGU	سواحیلی زبان میں مشرقی افریقہ سے شائع ہوتا ہے۔
۱۰۔ البشریٰ	انگریزی زبان میں جاوا سے شائع ہوتا ہے۔
۱۱۔ البشریٰ	عربی زبان میں فلسطین (اسرائیل) سے شائع ہوتا ہے۔
۱۲۔ الھدیٰ	انڈونیشی زبان میں جاوا سے شائع ہوتا ہے۔
۱۳۔ پیس	انگریزی زبان میں بورنیو سے شائع ہوتا ہے۔
۱۴۔ دی میسیج	انگریزی، سنہالی (سیلون کی زبان) اور تامل زبان میں سیلون سے شائع ہوتا ہے۔

یہ موجودہ رسائل بیرونی ممالک کو شب و روز اسلام سے روشناس کرانے میں مصروف ہیں۔ یہ اسلام کے ترجمان اور صداقت کی زبان ہیں جس کی بے باک تنقید و تبلیغ سے دن بدن دنیا متاثر ہوتی جا رہی ہے۔

تبلیغی مراکز پھر ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں تبلیغی مراکز قائم کئے گئے ہیں جن کے نام اور تاریخ اجراء حسب ذیل ہیں:-

اسماء مراکز	نام ملک	تاریخ اجراء
احمدیہ مسلم مشن	لنڈن	۱۹۱۴ء
" "	ماریشس	۱۹۱۵ء
" "	امریکہ	۱۹۲۱ء
" "	مغربی افریقہ	۱۹۲۱ء
" "	سیرالیون	۱۹۲۱ء
" "	نائیجیریا	۱۹۲۱ء
" "	شام و دمشق و فلسطین	۱۹۲۵ء
" "	انڈونیشیا	۱۹۲۵ء
" "	مشرقی افریقہ	۱۹۳۴ء
" "	سنگاپور	۱۹۳۵ء
" "	اسپین	۱۹۳۶ء
احمدیہ مسلم مشن	ہالینڈ	۱۹۴۷ء
" "	اسرائیل	۱۹۴۸ء
" "	سوئٹزرلینڈ	۱۹۴۸ء
" "	جرمنی	۱۹۴۹ء
" "	ٹرینیڈاڈ	۱۹۵۰ء
" "	سیلون	۱۹۵۱ء
" "	برما	۱۹۵۲ء
" "	تھائی لینڈ	[illegible]
" "	لبنان	[illegible]
" "	مسقط	۱۹۴۸ء

اس فہرست سے یہ معلوم ہو گیا کہ جماعت احمدیہ کا ہر قدم ترقی پر ہے اور یہ اپنی تنظیم سے رفاہ عام کے حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہی ہے۔

دونوں تنظیموں میں فرق

یہ فرقہ اسماعیلیہ اور جماعت احمدیہ کی تنظیم کا فرق ہے۔ فرقہ اسماعیلیہ میں مستعلیہ یعنی بواہیر نے تو ظہور امام غائب تک اعلانیہ تبلیغ کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔ خود کوئی تحقیق و جستجو کر کے اس سلسلہ میں داخل ہو جائے تو ہو جائے۔ واضح تبلیغ نہیں کرتے۔ وہ اس کے لئے امام غائب کے ظہور کے منتظر ہیں۔

فرقۂ نزاریہ یعنی خوجے ہندوستان کی پست اقوام میں تبلیغ کیا کرتے تھے۔ مگر اب وہ سلسلہ بھی بند ہے۔ فرقہ اسماعیلیہ کی دونوں شاخیں تنظیم اور تبلیغ کے نام پر ہر سال ایک بڑا بھاری ٹیکس اپنے اپنے امام کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔ خوجوں کے ٹیکس کی رقم کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب پرنس کریم کی ہندوستان میں تاجپوشی ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے ان کی آمدنی پر ۵۰ لاکھ روپے سالانہ ٹیکس لگایا۔ اس ٹیکس کے لگانے میں بھی ان کی مذہبی شخصیت کا احترام کرتے ہوئے رعایت سے کام لیا گیا ہے۔

فرقہ مستعلیہ کے داعی مولانا سیف الدین طاہر کو بھی اپنے عقیدتمندوں سے سالانہ ایک کروڑ کے قریب آمد ہو جاتی ہے۔ اس آمدنی کے ذرائع مختلف ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، خمس اور نذرانے۔ تمام بواہیر کے نزدیک ان آمدنیوں کے مالک

بلا شرکت غیرے داعی مطلق ہی سمجھے جاتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کا مالی نظام

اب ان کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کو دیکھئے۔ اس جماعت کے افراد عموماً کاشتکار اور محنت پیشہ ہیں۔ اس جماعت میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو عصرِ حاضر کے معیار دولت کے مطابق دولتمند شمار کیا جاسکے۔ غریبوں کی یہ جماعت چندہ کر کے سال میں ایک مختصر سی رقم جمع کرتی ہے۔ اس کا سالانہ بجٹ عموماً بیس بائیس لاکھ کا ہوتا ہے۔ مگر یہ اسی مختصر سی رقم سے چار دانگ عالم میں تبلیغ اسلام کا ڈنکا بجا رہی ہے جس کا ایک اجمالی خاکہ اُوپر کھینچ آیا ہوں۔

فرقۂ اسماعیلیہ اور جماعت احمدیہ کی تنظیم میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فرقۂ اسماعیلیہ کے ارکان زکوٰۃ، عشر، خمس یا دُوسرے ٹیکسوں کی صورت میں جو رقم جمع کرتے ہیں وہ امام حاضر یا داعی مطلق کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور وہ سب مرضی اسے ذاتی یا قومی تصرف میں لاتے ہیں مگر جماعت احمدیہ کے ممبر جو چندہ دیتے ہیں وہ ایک ٹرسٹ میں جمع ہوتا ہے جس کا نام صدر انجمن احمدیہ ہے۔ اس ٹرسٹ کا ایک بیت المال ہے۔ اس کے ایک ناظر ہوتے ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ تمام جماعتہائے احمدیہ کے نمائندے مرکز میں جمع ہوتے ہیں اور ایک "مجلس مشاورت" منعقد ہوتی ہے اس میں اس مالی شعبہ کی تمام جزئیات پر بحث ہوتی ہے۔ وصول شدہ رقوم کے مصارف کثرت آراء سے تعیین ہوتی ہے۔ جمہوری طرز پر ہر تجویز کا فیصلہ ہوتا ہے اور نمائندے اظہارِ رائے میں بالکل آزاد ہوتے ہیں۔

خوجوں اور بواہیر کے انتشار کا سبب

اِن دنوں فرقہ اسماعیلیہ کی دونوں شاخوں یعنی خوجوں اور بواہیر کے ہاں جو انتشار پایا جاتا ہے وہ اسی حق کے مطالبہ کے لئے ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا فرقہ اسماعیلیہ سے اپنے دینِ متین کی خدمت کا کام لیا۔ اب تو وہ یہ کام جماعت احمدیہ کے ذریعہ لے رہا ہے۔ اس لئے اب فلسفۂ امامت پر یقین رکھنے والوں کو اِس انتشار سے دُور ہو کر جماعت احمدیہ کی عملی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

امام جماعت احمدیہ کا قول

ہمارا یہ یقین ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی جماعت احمدیہ کے ذریعہ مقدر کر رکھی ہے۔ ہمارے امام عالی مقام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ ۹؍جون ۱۹۳۶ء کے خطبہ جمعہ میں تحدی سے فرماتے ہیں کہ :-

"اِس وقت اسلام کی ترقی اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنے دین کی ترقی خلفاء کے ساتھ وابستہ کیا کرتا ہے۔ پس جو میری سُنے گا وہ جیتے گا اور جو میری نہیں سُنیگا وہ ہارے گا۔" (خطبہ جمعہ ۱۹؍جون ۱۹۳۶ء بحوالہ اعمالِ صالحہ)

جماعتِ احمدیہ کے اصلاحی و تعمیری کاموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اگر اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو بیسیوں

کی مجالس بھی ناکافی ہوں گی چہ جائیکہ ایک گھنٹے کی یہ مختصر سی صحبت لیکن پھر بھی میرا خیال ہے کہ میں اس وقت جماعت احمدیہ کا ایک اجمالی تعارف کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ اب رہ گیا "فلسفۂ امامت" اب اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

فلسفۂ امامت

مردِ کامل کا تصور واضح ہو کہ فرقہ اسماعیلیہ، اہلسنت والجماعت اور جماعت احمدیہ تینوں کے ہاں امام مہدی یا ایک "مردِ کامل" کا تصور پایا جاتا ہے۔ تینوں یہ کہتے ہیں کہ امت میں ایک ایسے "عظیم مصلح" کا ظہور ہونا چاہیئے۔

ادوارِ ثلثہ اس معاملہ میں فرقہ اسماعیلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سلسلۂ امامت ازل سے چلا آرہا ہے۔ وہ نبوت کو ایک امرِ زائد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی سلسلہ "سلسلۂ امامت" ہے۔ انہوں نے زمانے کو امامت کے نقطۂ نظر سے تین دَوروں میں منقسم کیا ہے:-

۱۔ دَورِ کشف۔

۲۔ دَورِ فترت۔

۳۔ دَورِ ستر۔

پھر ان تینوں ادوار کی مدت کی تعیین کی ہے جو یہ ہے:-

۱۔ دَورِ کشف کی مدت پچاس ہزار سال۔

۲۔ دَورِ فترت کی مدت تین ہزار سال۔

۳۔ دَورِ ستر کی مدت سات ہزار سال۔

اسماعیلیوں کے نزدیک ان ادوار میں سے کوئی دَور اماموں سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ ہر دَور میں امام اور اس کے پیغام کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ دَورِ کشف میں امام ظاہر رہتے ہیں اور شریعت مستور ہوتی ہے اور دَورِ ستر میں شریعت ظاہر ہوتی ہے اور امام مستور ہوتے ہیں۔ اور اگر کہیں ان کا ظہور ہوتا ہے تو وہ ظہور محض جزئی ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جو "دورِ کشف" تھا۔ اس کی پچاس ہزار سالہ تاریخ کی تفصیل اسماعیلیوں کے دینی ادب میں بھی نہیں ملتی۔ البتہ دورِ ستر کے ائمہ کی کچھ تفصیل اور نام ملتے ہیں۔

دَورِ کشف چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے زمانے میں "دَورِ کشف" تھا یعنی وہ ایک ایسا دَور تھا

جن میں خدا پرست، پاکباز اور نیک دل لوگ ہی رہا کرتے تھے۔ ان کی طبیعت کو نیکی سے اتنی مناسبت تھی کہ انہیں کسی "ظاہری شریعت" کی حاجت نہیں تھی۔ اس زمانے کو ہم ہندوؤں کی اصطلاح میں "ستیہ یگ" کہہ سکتے ہیں۔ اس زمانے میں امام پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہوتے تھے۔ مگر لوگ اتنے عارف اور گیانی تھے کہ انہیں ظاہر شریعت یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اہلِ باطن تھے اور ان کا علم ان کی عبادات سے افضل تھا۔

دَورِ فترت

ان کے نزدیک پچاس ہزار سال کے بعد یہ دَور ختم ہو جاتا ہے نیکی و بدی، نور و ظلمت اور نفس مطمئنہ و نفس امارہ کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ یہ دَور کشمکش تین ہزار سال تک رہتا ہے۔ جس کو "دَورِ فترت" کہتے ہیں۔

دَورِ سَتر

اس کے بعد دَورِ ستر آتا ہے یعنی بدی نیکی پر اور شیطان فرشتے پر غالب آجاتا ہے۔ اس وقت لوگ معرفت اور علم باطن سے محروم ہو جاتے ہیں۔ روحانیت کی جگہ مادیت اور لطافت کی جگہ کثافت لے لیتی ہے۔ اس وقت مخلوق کی طبیعت کو صیقل کرنے کے لئے ایک شریعت کی ضرورت ہوتی ہے جس میں نماز و روزہ جیسے ظاہری فرائض کی ادائیگی کی تاکید ہوتی ہے۔

طرقِ نزول

اسماعیلی عقیدے کے مطابق شریعت کا نزول کبھی امام مستقر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے آپ کو جزئی طور پر زمانے کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور نبی مستودع یا رسولِ ناطق بھی کہلاتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل میں امام مستقر ہیں مگر اسماعیلی عقیدے کے مطابق انہوں نے زمانے کو ایک شریعت بھی دی۔ اس لئے وہ جزئی طور پر زمانے کے سامنے نمودار ہوئے اور واضع شریعت ہونے کے باعث نبی مستودع اور رسول ناطق کہلائے۔ ان کا اصل منصب امامت استقراری ہے۔ یہ فضیلت جو اُن کو حاصل ہوئی یہ ایک امر زائد ہے۔ مگر ایسے امام جو مستقر بھی ہوں اور مستودع بھی فلسفہ اسماعیلیت میں بہت بلند رتبہ مانے گئے ہیں۔ ان میں چاروں مراتب کمالات یعنی ولایت، وصایت، نبوت اور رسالت جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرقہ اسماعیلیہ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رتبہ بہت بلند ہے۔

لیکن جو دوسرے مکتب خیال کے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ امام مستقر کے لئے نبوت یا رسالت کوئی امر زائد یا خارجی فضیلت نہیں بلکہ بالقوہ یہ دونوں کمالات بھی ہر امام مستقر میں موجود ہوتے ہیں مگر وہ عموماً ان کا اظہار نہیں کرتے۔ اور اس خدمت کے لئے دوسروں کا انتخاب کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ فلسفہ اسماعیلیت میں وضع شریعت کی دوسری صورت یہ ہے کہ امام مستقر اپنے آپ کو زمانے کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔ وہ مستور ہی رہتا ہے لیکن جب زمانے کو شریعت کی ضرورت ہوتی ہے تو امام مستقر کسی کو وضع شریعت کے لئے نامزد کرتا ہے اور دنیا کو ان کے ذریعے شریعت دی جاتی ہے۔ ایسے واضع شریعت اسماعیلی

اصطلاح میں محض نبی مستودع یا رسول ناطق کہلاتے ہیں۔ یہ استقراری امامت کے منصب سے محروم ہوتے ہیں اس لئے یہ رتبہ میں حضرت ابراہیمؑ جیسے رسول ناطق سے کمتر سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ

اسماعیلیوں کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایسے ہی ناطق رسولوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ جو چاروں مراتب کمالات کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے بعد اپنے دونوں لڑکوں حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق میں برابر برابر چاروں کمالات تقسیم کر دیئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ولایت و وصایت کے رتبہ پر فائز کیا۔ اس کو امامتِ استقراری اور دعوت باطنی کی صدارت کہتے ہیں۔ یہ رتبہ صدارت پشت در پشت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں منتقل ہوتا رہا۔

آپ کے جو دوسرے لڑکے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ انہیں آپ نے نبوت و رسالت کا منصب دیا جس کو اسماعیلی اصطلاح میں استیداعی رتبہ کہا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کی اصطلاح میں اس منصب کے حامل صاحبِ شریعت نبی کہلاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد خاندانِ حضرت اسحاق علیہ السلام میں سلسلۂ نبوت و رسالت جاری رہا۔ ان کے نزدیک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بعثت اسی قانونِ امامت کے ماتحت ہوئی۔

سلسلۂ مقیم

ان کی امامت کا دوسرا قانون یہ ہے کہ ہر نبی مستودع یا رسولِ ناطق کا ایک مقیم ہوتا ہے جو ان کو اس عہدہ پر مامور کرتا ہے۔ آدم سے تا ایں دم وہ تمام مستودع انبیاء یا ناطق رسولوں اور ان کے مقیموں کی فہرست پیش کرتے ہیں جو یہ ہے:۔

مستودع انبیاء	مقیم
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	مولینا ہنید
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	مولینا ہود
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	مولینا صالح
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	مولینا خضر
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	مولینا خزیمہ
۶۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	بحیرہ راہب و ابوطالب

مقیموں کا نسب

ان مقیموں کے متعلق ان کا قانون یہ ہے کہ ان کا مستقر اماموں کی نسل سے ہونا ضروری ہے

چنانچہ حضرت موسیٰ عیسیٰ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں کے مقیم اسماعیلی نسل کے ہیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امامت استقراری یا دعوت باطنی کی صدارت سونپی تھی۔ اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی فہرست پر نظر ڈالنے سے چھتیسویں پشت میں ہم کو مولینا عُدّہ نظر آتے ہیں۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقیم ہیں۔ اور ۴۲ ویں پشت میں حضرت خزیمہ نظر آتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقیم ہیں۔ اور ابو طالب جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقیم کہا جاتا ہے۔ ان کا اولاد اسمٰعیل میں ہونا تو ظاہرو باہر ہے۔

بحیرہ راہب البتہ یہ قانون اس وقت ٹوٹ جاتا ہے جب بحیرہ راہب کو سیدالکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقیم کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ نسلاً اسماعیلی نہیں بلکہ اسرائیلی ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جو فلسفۂ اسماعیلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقیم کہا گیا ہے۔ وہ اس لئے نہیں کہ انہوں نے آپ کو رسول ناطق کی مسند تفویض کی بلکہ اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے آپ کو اسحاقی رتبہ بھی سونپ دیا۔

اسحاقی رتبہ اسماعیلیوں کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسرائیلی سلسلہ کے امام یا نبی بحیرہ راہب تھے۔ انہیں جب آپ کی پیدائش کی اطلاع ملی تو نبوت و رسالت یا دعوت ظاہری کا وہ سلسلہ جو خاندان اسرائیل میں چلا آرہا تھا وہ ختم کر دیا اور دعوتِ ظاہری کا یہ منصب بھی خاندان اسماعیل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں چاروں مراتب کمالات جمع ہو گئے۔ یعنی ولایت اور نبوت و رسالت یا استقراری اور استیداعی مراتب۔ اسماعیلی اصطلاح میں اس کو دعوت ظاہری و باطنی کی صدارت بھی کہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آپ کو دعوتِ باطنی کی صدارت حضرت عبداللہ یا ابو طالب کے ذریعہ ملی اور دعوتِ ظاہری کی صدارت بحیرہ راہب کے ذریعہ۔

اس جگہ میں اتنا عرض کر دوں تو بیجا نہ ہوگا کہ بحیرہ راہب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا ذکر اکثر کتب سیر میں آیا ہے۔ اس کے لئے مولینا شبلی کی سیرۃ النبی اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب مدظلہ کی سیرۃ خاتم النبیین کا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے اور اس کے متعلقات پر تبصرہ بھی۔

امام مستقر و مستودع مذکورہ بالا سطور میں ان دونوں اصطلاحوں پر روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن مزید وضاحت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ امام جو نسلی طور پر امامت کا حقدار ہے جس سے کوئی حق امامت چھین نہیں سکتا ان کو امام مستقر کہتے ہیں۔ ان ائمہ کا کام صرف لوگوں کو روحانیات یا علم تاویل کا درس دینا ہے جس کو علم باطن یا علم حقیقت بھی کہتے ہیں۔

لیکن زمانے کی ضرورت ہمیشہ ادلتی بدلتی رہتی ہے اور کبھی لوگوں کو علم تاویل سے زیادہ علم تنزیل کی ضرورت پڑتی ہے تو اس وقت امامِ مستقر کسی کو ظاہر شریعت وضع کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے۔ جس کو یہ خدمت سونپی جاتی ہے اس کا اسماعیلی مسلک میں امام کی نسل سے ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے خاندان کا کوئی معزز فرد بھی اس منصب کیلئے

نامزد کیا جا سکتا ہے جب مقیم زمانہ اس طرح کسی کو اس منصب پر بٹھاتا ہے تو وہ نبی مستودع کہلاتا ہے یعنی اس کو امام مستقر محض امانت کے طور پر وضع شریعت کا رتبہ دیتا ہے۔ اس کی وفات کے بعد یہ امانت اس سے واپس لے لی جاتی ہے اور پھر اس خاندان میں سلسلۂ نبوّت و رسالت کا چلنا ضروری نہیں۔ ان کا دوسرا امام رسول ناطق ہے اس لئے کہ وہ زمانے کے سامنے ظاہر ہو کر مخلوقِ خدا کو شریعت کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ائمۂ مستقرین کو ہی استیداعی رتبہ بھی ملتا رہا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ائمۂ مستودعین کا سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی اب مستقر اماموں نے جزئی طور پر ظاہر ہونا چھوڑ دیا اور وضع شریعت کے لئے دوسرے خاندان کے بزرگ بھی نامزد ہونے لگے۔ حضرت موسیٰ و عیسےٰ علیہما السلام کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔

میں اُوپر یہ لکھ چکا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تک یہ دونوں منصب الگ الگ خاندانوں میں رہے مگر اسحاقی خاندان کے آخری نبی بحیرہ راہب نے اسحاقی فضیلت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ دی۔

امامت استقراری

اسماعیلیوں کے دینی ادب کا حسن امامت استقراری ہی کی بحث سے قائم ہے۔ ان کا دینی قصر اسی ستون پر کھڑا ہے۔ استیداعی امامت ایک عارضی شے ہوتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ نبی مستودع ظاہر شریعت وضع کرنے کے بعد اس کی تاویل و حقیقت بیان کرنے کے لئے ایک شخص کو اپنا وصی بناتا ہے۔

مرتبہ وصایت

مرتبۂ وصایت فلسفۂ اسماعیلیت کا دوسرا قانون ہے۔ ہر نبی مستودع یا ناطق رسول کے لئے ایک وصی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ وصی بلافصل رسول ناطق کی روحانیات اور میراث کا وارث ہوتا ہے۔ ان کی کتب میں ناطق رسولوں کے وصیوں کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے جو یہ ہے:-

ناطق رسول	وصی
حضرت آدم علیہ السلام	حضرت ہابیل
حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام
حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسماعیل علیہ السلام
حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارونؑ اور اُن کی وفات کے بعد یوشع بن نون
حضرت عیسےٰ علیہ السلام	حضرت شمعونؑ
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت علی رضی اللہ عنہ

فلسفۂ اسماعیلیت میں وصی بہت بلند رتبہ انسان ہوتا ہے۔ نبی معلّم تنزیل ہوتا ہے تو وصی معلّم تاویل اور ان کے نزدیک یہ بھی عصمت کا درجہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

اب اِس جگہ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اسماعیلیوں کے نزدیک حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے؟

امام مستقر کا جُزئی ظہور

یہ مَیں اُوپر بیان کر چکا ہوں کہ اسماعیلی عقیدے کے مطابق دَورِ سِتر میں امام مستور ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ جزئی طور پر اپنے آپ کو زمانے کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ یہ امام مستقر تھے اور انہیں دَورِ ستر میں مستور ہونا چاہیئے تھا۔ مگر انہوں نے ضرورتِ زمانہ کے مطابق جزئی طور پر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔

حضرت اسماعیلؑ وحضرت اسحاقؑ

حضرت ابراہیمؑ کے دو لڑکے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحاقؑ۔ انہوں نے اپنے بڑے لڑکے حضرت اسمٰعیلؑ کو دعوتِ باطنی کا اور چھوٹے لڑکے حضرت اسحاقؑ دعوتِ ظاہری کا صدر بنایا۔ اس طرح آپ کے بعد دو خاندانوں میں امامت کے دو سلسلے الگ الگ چلے حتیٰ کہ بنی اسرائیل یعنی اولادِ اسحاق علیہ السلام میں حضرت عیسٰی علیہ السلام نبی مستودع بنکر ظاہر ہوئے۔

بحیرہ راہب

آپ کے پانچ سو سال بعد اسرائیلی سلسلہ کا ایک آخری نبی بحیرہ راہب پیدا ہوا۔ اسماعیلی علماء کہتے ہیں کہ سیدالکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش انہیں کے دَورِ نبوّت میں ہوئی۔ اس وقت ذریتِ اسماعیل علیہ السلام میں آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب امام مستقر یعنی دعوتِ باطنی کے صدر تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ کو اپنی دعوتِ باطنی کا صدر بنایا۔ آپ کی پُشت سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ مگر اس سے پہلے کہ آپ سِن بلوغ کو پہنچیں اور اپنے والد بزرگوار کی مسندِ دعوت سنبھالنے کے قابل ہوں حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ انہوں نے وفات سے پہلے ابوطالب کو آپ کا کفیل بنایا۔

ابوطالب کی کفالت

اسماعیلیوں کے نظامِ امامت کا ایک یہ دستور بھی ہے کہ جو امام صغرسنی میں یتیم ہو جاتے ہیں ان کا ایک کفیل ہوتا ہے۔ یہ کفیل جس طرح ان کی جسمانی پرورش کا ذمہ دار ہوتا ہے اسی طرح وہ ان کی مسندِ دعوت کا بھی امین ہوتا ہے۔ اور جب وہ امام مسندِ امامت پر فائز ہونے کے قابل ہوتا ہے تو اس کا فرض ہوتا ہے کہ حقِ امامت اس کے حقدار کو دیدے۔

اس قاعدے کے مطابق جناب ابو طالب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی پرورش کے ذمہ دار تھے اور آپ کی مسند دعوت کے امین بھی۔

پھر ان کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب تک امام سن شعور کو نہیں پہنچتا ان کا کفیل ہی ان کی مسند دعوت کا صدر ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق آپ کے سن شعور کو پہنچنے سے پہلے ابو طالب ہی آپ کی مسند دعوت کے صدر تھے اور انہوں نے ہی یہ مسند دعوت آپ کو تفویض کی۔ اسی اعتبار سے آپ سید الکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم بھی کہے جاتے ہیں۔

قاضی نعمان کا قول

یہ اسماعیلیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے لیکن ایک اسماعیلی فقیہہ قاضی نعمان نے اس کی شدید مخالفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو طالب تو وہ شخص ہے جس نے اسلام کے ایک رکن نماز کا مذاق اڑایا۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقیم کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے اپنی تصنیف "اختلاف اصول المذاہب" میں ابو طالب کو گمراہ اور غیر عاقل کہا ہے۔

اسماعیلی علماء میں قاضی نعمان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ یہ مصر کے قاضی القضاۃ تھے۔ انہوں نے اسماعیلیت پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے دعائم الاسلام اور اختلاف اصول المذاہب وغیرہ۔ اور یہ ساری کتابیں بہت معتبر و مستند سمجھی جاتی ہیں۔

مولینا حمید الدین کرمانی

اسی طرح اسماعیلیوں کے ایک اور دوسرے جلیل القدر عالم مولینا حمید الدین کرمانی نے اپنی تصنیف تنبیہ الہادی والمستہدی میں قیاس و رائے کی تردید کرتے ہوئے ولید بن مغیرہ اور ابو طالب کی عقل کی مذمت کی ہے۔

لیکن اسماعیلیوں میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ابو طالب کو آپ کا صرف مقیم ہی نہیں بلکہ نبوت و رسالت اور وصایت و ولایت کی صفات کا جامع بھی یقین کرتا ہے۔

بحیرہ راہب

اب بحیرہ راہب کا حال سنیئے۔ کتب سیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بحیرہ راہب کی ملاقات ثابت ہے۔ اسماعیلی محقق اس ملاقات کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی بحیرہ راہب نے نبوت و رسالت یا دعوت ظاہری کا وہ سلسلہ جو اسرائیلی خاندان میں چلا آرہا تھا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ ولایت و وصایت کے رتبے آپ کو ذریت اسماعیل میں ہونے کے باعث پہلے ہی حاصل ہو چکے تھے۔ اب بحیرہ راہب نے اسحاقی فضائل بھی آپ کو سونپ دیئے۔ اس طرح آپ چاروں مراتب کمالات یعنی ولایت، وصایت، نبوت اور رسالت کے جامع قرار پا گئے۔ ظاہری و باطنی دعوتوں کے صدر اور استقراری و استیداعی مراتب کے حامل (صلی اللہ علیہ وسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ

اب سوال رہتا ہے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہ اسماعیلیہ عقیدے کے مطابق ان دونوں میں افضل کون ہیں؟ تو واضح ہو کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر متقدمین و متاخرین کے کلام میں بڑا اضطراب پایا جاتا ہے۔ مولینا جعفر بن منصور الیمن خلیفہ معز کے باب الابواب، قاضی نعمان اور دوسرے دعاۃ ان تینوں کے الگ الگ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ اجمالی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسماعیلی عقیدے کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلم تنزیل و تاویل ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ معلم تاویل۔ لیکن اسماعیلیوں کے نزدیک یہ بھی درجہ عصمت ہے۔

لیکن انہیں دنوں شامی نزاریوں کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے "تاریخ الدعوۃ الاسماعیلیہ" اس میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ وہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کائنات سے ایک لاکھ چوبیس ہزار برس پہلے پیدا کیا اور پھر اسی نور سے کرسی، لوح و قلم، اجرام سماوی اور فرشتے وغیرہ پیدا کئے۔

شجرۂ امامت

فلسفۂ اسماعیلیہ میں اس نکتہ پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ دَورِ کشف ہو یا دَورِ ستر سلسلۂ امامت ایک ہی نسل میں چلا آ رہا ہے۔ خدا نے ایک ہی خاندان کو اس سعادت کے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ بعض مفسرین اہل سنت و الجماعت نے بھی کہا ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کا ذکر کیا گیا ہے۔

الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔ (سورہ شعراء)

اس آیت کا وہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ نور محمدی جو پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت عبد اللہ کی پشت تک آیا۔ اللہ تعالےٰ ہی اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ فلسفۂ اسماعیلیہ میں اس نسلی شرافت پر بڑے فخر کا اظہار کیا گیا ہے۔

اسماعیلی صحیفوں میں امام معز کے ایک صحیفہ کا بڑا ذکر آتا ہے جو انہوں نے حسن بن احمد قرمطی کے نام بھیجا تھا۔ اس میں امام معز نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

ونحن نتنقل فی الاصلاب الزکیۃ والارحام الطاہرۃ المرضیۃ۔	ہم پاکیزہ پشتوں اور پاک وپسندیدہ ارحام میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بھی بہت سی روایات مروی ہیں جن میں اس نور محمدی کے انتقال کی

کیفیت بیان کی گئی ہے۔ (تاریخ الدعوت الاسماعیلیہ ص۴۸)

ناطق سادس

اس جگہ ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ اسماعیلی کتب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناطق سادس کہا گیا ہے۔

آپ کے اس خطاب کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ اسماعیلی عقیدے کے مطابق چھٹے صاحب شریعت رسول ہیں۔ آپ سے پہلے حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اس منصب پر فائز ہو چکے تھے یہ ایک سبب بھی سادس کی وجہ تسمیہ ہے۔

لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کی بعثت حضرت آدم کے بعد ہزار ہفتم کے آخر میں ہوئی اور اپنے اس دعویٰ پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں یعنی عمر الدنیا سبعة الاف و بعثتُ فی اٰخرھا الفًا۔ اگر ان کا یہ قول درست مان لیا جائے تو آپ کی بعثت کے چند سو سال بعد ہی "دورِ ستر" کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ دورِ ستر کی مدت صرف سات ہزار سال ہے۔ اگر آپ کی بعثت ہزار ہفتم کے آخر میں ہوئی تو کب کے دورِ ستر کا خاتمہ اور دورِ کشف کا آغاز ہو جانا چاہیئے مگر واقعہ ایسا نہیں۔ ابھی ان کے نزدیک دورِ ستر جاری و ساری ہے۔ بلکہ انہیں ناطق سادس کے بعد ایک ناطق سابع کے ظہور کا انتظار ہے اور ان کے فلسفہ کے مطابق ان دونوں کے ظہور کے درمیان بھی لامحالہ ایک ہزار سال کا فاصلہ ہونا چاہیئے

محمد بن اسماعیل جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن اسماعیل کو ناطق سابع کہا ہے ان پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ناطق سابع کا ظہور تو ناطق سادس کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد ہونا چاہیئے اور حضرت محمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہ تو دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۳۲ھ میں اور وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی۔ (دیکھو تاریخ دعوت فاطمیین مصر)

اس لئے واقعات کی روشنی میں یہ قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق سادس ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے بعد چھٹے رسول ناطق ہیں اور زمانا بھی آپ کا ظہور ہزار ششم کے آغاز یا ہزار پنجم کے آخر میں ہوا۔ جیسا کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے۔

ناطق سابع اسماعیلی اصول کے مطابق ناطق سادس کے بعد ایک ناطق سابع کا ظہور بھی ہونا چاہیئے۔ اس ناطق سابع کو قائم القیامہ بھی کہتے ہیں — ان کے نزدیک ناطق سابع ہی ایک نئے دورِ جدید یعنی دورِ کشف کی تمہید باندھتا ہے۔

باب ان کا دوسرا فلسفہ یہ ہے کہ ناطق سابع سے پہلے ایک اور وجود آتا ہے جس کو حجت یا باب کہتے ہیں۔ یہ باب دورِ ستر کا آخری امام کہلاتا ہے اور ناطق سابع دورِ کشف کا پہلا امام ہوتا ہے

نظریۂ تعطیل شریعت اس جگہ اسماعیلیوں نے ایک بحث چھیڑی ہے کہ کیا ناطق سابع ناطق سادس کی شریعت کا ناسخ ہوگا؟ اس لئے کہ ان کے فلسفۂ امامت میں ہر آنے والا ناطق اپنے پہلے والے ناطق کی شریعت کا ناسخ ہوتا ہے۔ ان کے متقدمین کا رجحان اسی طرف ہے کہ ناطق سابع ناطق سادس یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ناسخ ہوگا اور زمانے کے لئے شریعت جدید وضع فرمائے گا۔

اسماعیلیوں میں جو "شریعتِ محمدیہ" کی تعطیل کے قائل ہیں، وہ اپنے ثبوت میں مصر کے سب سے مشہور فاطمی خلیفہ امام معز کی دعائیں پیش کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کی تعداد سات ہے۔ ہر دن کے لئے ایک۔ خاص دعا ہے جس میں ایک ناطق اور ان کے وصی و ائمہ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ آخری دعا حضرت امام جعفر صادق ؒ کے پوتے محمد بن اسماعیل کے متعلق ہے جنہیں امام معز اور ان کے ہمنوا ناطق سابع مانتے ہیں۔ اس دعا کی عبارت یہ ہے:-

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمدٍ نبی الرحمة .... الذی شرفتهٗ وکرمته وعطلت به ظاهر شریعة عیسیٰ وصلّ علیٰ بابه ووصیه علی بن ابی طالب وعلی ائمة دورہ الستة الحسن والحسین وعلی ومحمد وجعفر واسماعیل وصلّ علی القائم بالحق الناطق بالصدق التاسع من جده الرسول والثامن من ابیه الکوثر السابع من آبائه الائمة .... الذی شرفته وعظمته وکرمته وختمت به عالم الطبائع وعطلت بقیامه ظاهر شریعة محمد صلعم۔	اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار محمد صلعم پر جو نبی رحمت ہیں۔ جنہیں تو نے مشرف و مکرم بنایا اور جن کے ذریعہ تو نے شریعت عیسےٰ کے ظاہر کو معطل کر دیا۔ اور درود بھیج ان کے باب اور وصی علی بن ابی طالب پر اور ان کے دور کے چھ اماموں حسن، حسین، علی، محمد، جعفر اور اسماعیل پر۔ اور درود بھیج اس وجود پر جو حق کے ساتھ قائم ہوا ہے۔ راستگو۔ اپنے نانا کی نویں پشت میں ہے اور دادا کی آٹھویں پشت میں۔ اور جو اماموں کی ساتویں مرتبہ پر ہیں۔ جنہیں تو نے شرف، عظمت اور کرامت بخشی اور جن کے ذریعہ تو نے عالم طبائع کو ختم کیا اور جنہیں قائم کر کے تو نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا۔

(اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام از ڈاکٹر زاہد علی)

محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق

دعاء مذکورہ میں یہ سامنے اور صاف حضرت محمد بن اسماعیل بن جعفر صادقؒ کے بیان کئے گئے ہیں۔ امام معز کے نزدیک یہی ناطق سابع ہیں اور انہیں کے ذریعہ خدا نے شریعتِ محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا۔ اسماعیلیوں کے دو فرقے یعنی قرامطہ اور نزاری تو برملا اِس عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ نزاریوں کے امام حسن کی تعطیلِ شریعت کا قصہ مشہور ہے۔ ۵۵۹ھ میں خوجوں کے اِس امام نے حسن بن صباح کی پناہ گاہ قلعہ آلموت میں تعطیلِ شریعت کا اعلان کیا۔ رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں سب کے سامنے شراب پی اور محرمات کے جواز کا فتویٰ دیا۔ اس کے کئی سال بعد پھر اس کے پوتے جلال الدین متوفی ۶۱۸ھ نے اسی قلعہ میں شریعت کے نفاذ کا فیصلہ کیا۔

اسماعیلی علماء نے ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا کا مطلب بھی رسولؐ کی رسالت کا نسخ بتایا ہے۔

قاضی نعمان

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ اسماعیلی شریعتِ محمدیہ کی تعطیل کے قائل ہیں۔ لیکن قاضی نعمان امام معز کی اِس دعا کا کچھ اور مطلب بتاتے ہیں۔ وہ تعطیلِ شریعت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل نے شریعت کے اسرار و غوامض بتائے اور علم حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

اگرچہ لوگوں نے قاضی نعمان کے اِس قول کی بھی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ انھوں نے امام معز کی دعا کا جو مطلب بتایا ہے اس کے ذریعہ اسماعیلیوں کے اِس عقیدے پر پردہ ڈالا ہے۔ اس لئے کہ مصر جہاں فاطمیوں کی حکومت قائم کی تھی۔ وہاں کے اکثر باشندے سُنّی عقائد کے تھے لہذا وہ علم باطن کے اظہار سے گریز کرتے اور اکثر تقیہ کرتے ہوئے ظاہر پر زور دیا کرتے تھے۔

لیکن اُس عہد میں بھی جو خواص تھے ان کا مسلک تعطیلِ شریعت کا تھا۔ جیسے جعفر بن منصور الیمن جو امام معز کے باب الابواب تھے اور جس کے رتبہ کو قاضی نعمان نہیں پہنچ سکے۔

دو فرقے

بہرکیف انہیں مخصوص حالات میں اسماعیلیوں میں دو فرقوں نے جنم لیا۔ ایک وہ جو شریعت کو امام کے تابع مانتے ہیں۔ جیسے قرامطہ، نزاری یا خوجے۔ یہ شریعت پر حقیقت اور ظاہر پر باطن کو ترجیح دیتے ہیں۔

مستعلوی

دوسرا گروہ مستعلویوں یعنی بوہروں کا ہے جس میں سلیمانی اور داؤدی دونوں فرقے شامل ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ شریعت اور باطن کے ساتھ ظاہر کا ہونا بھی ضروری ہے اسی لئے آج بوہرے ظواہر شریعت کے بڑے پابند نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی علم باطن یا علم حقیقت میں بھی بڑی بصیرت رکھتے ہیں۔

ایک نکتہ

اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض وہ اسماعیلی اکابر جو مطلقاً تعطیلِ شریعت کے قائل نہیں جیسے باب الابواب مولٰنا حمید الدین کرمانی۔ وہ بھی ناطق سابع کے بعد شریعتِ محمدیہ کی بقاء کے قائل نہیں

ہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قائم القیامہ کے بعد جو دور گشت ہوگا اس میں بھی کوئی شریعت ضروری ہوگی خواہ محمدی ہو یا غیر محمدی۔

پدری باغ والا فرقہ لیکن دوسرے اسماعیلی اکابر قائم القیامہ یا ناطق سابع کے بعد مطلقاً تعطیل شریعت کے قائل ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں مستعلویوں یعنی بواہیر میں ۸۰ آدمیوں کا ایک گروہ قائم ہوا جس نے یہی کہا کہ یہ "دور کشف" ہے اور اب ہم کو شریعت کی کوئی ضرورت نہیں نہ شریعت محمدیہ کی نہ کسی اور شریعت کی۔ یہ فرقہ "پدری باغ والا فرقہ" کہلاتا ہے۔ اس کے موجودہ امام الزمان کا نام عبدالرزاق ہے۔ انہوں نے ہی شریعتِ محمدیہ کی تعطیل کا اعلان کیا۔ اس فرقہ کا مرکز "ناگپور" ہے۔

علمِ تاویل

فلسفۂ اسماعیلیہ میں جس موضوع کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ علم تاویل ہے۔ تاویل کے معنے اول کی طرف پھیرنے کے ہیں۔ اسماعیلیوں کو اپنے علم تاویل پر بڑا ناز ہے۔ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ان کے نزدیک نبی مستودع کا ایک وصی ہوتا ہے۔ فلسفۂ اسماعیلیہ کے مطابق دونوں کے فرائض الگ الگ ہیں۔ نبی مستودع یا رسول ناطق ظواہر شریعت کے معلم ہوتے ہیں اور ان کے وصی ان ظواہر کی تاویل کرتے ہیں اور لوگوں کا ذہن ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔

راسخون فی العلم ان کے عقیدے کے مطابق علم تاویل خواص اُمت کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنے استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:-

وما یعلم تاویلہٗ الا اللّٰہ والرّٰسخون فی العلم۔ (آل عمران)	یعنی آیات متشابہات کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اسماعیلی قرأت میں اللہ پر وقف جائز نہیں۔ وہ راسخون فی العلم پر وقف کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں راسخون فی العلم کو علم تاویل میں اپنا ساتھی قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ راسخون فی العلم امام ہیں یا ان کے خواص۔

آدمؑ کا شجرہ ممنوعہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دورِ ستر کے آغاز میں ہی حضرت آدمؑ کو اس علم سے نوازا۔

قرآن پاک میں آدمؑ کے علم اسمار کا جو ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی علم تاویل ہے۔ اور آدمؑ کو شجر کی قربت سے جو منع کیا گیا تھا اس کی اصل یہ ہے کہ انہیں اس علم تاویل کے اظہار سے روکا گیا تھا۔ مگر ان کے ایک دوست نما دشمن نے جس کو شیطان یا ابلیس کہتے ہیں ان کو بہکایا اور علم تاویل یا علم حقیقت کے اسرار ظاہر کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور جب حضرت آدمؑ نے نااہلوں کو علم تاویل بتانا شروع کیا تو خدا نے ان کو ان کی جنت سے نکال دیا۔ اس جنت کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ دعوتِ باطنی کی صدارت تھی جس سے آدمؑ الگ کر دیئے گئے اور دعوتِ ظاہری کے صدر بنا دیئے گئے۔

علم ظاہر و باطن اسماعیلی ادب میں اس طرح شریعت و حقیقت، ظاہر و باطن اور تنزیل و تاویل کے دو دو سلسلے قائم کئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ خدا یا عقلِ اوّل کا منشاء یہ ہے کہ مخلوق کو علم تاویل سکھایا جائے مگر دَور بدَور بس اس کے لئے ہمیشہ فضا سازگار نہیں تھی لہذا چند خاصانِ خدا کو اس علم کے لئے منتخب کیا جاتا ہے وہی علم تاویل کے رازدار ہوتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت علیؓ اس علم کے رازدار تھے۔ آپ کے بعد اولادِ فاطمہ میں سینہ بسینہ یہ علم منتقل ہوتا رہا۔

علم تاویل کیا ہے؟

میرا خیال ہے کہ میں اس علم کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اسماعیلی تاویلات کے چند نمونے آپ کے سامنے پیش کر دوں جس سے اس علم کی حقیقت خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔

قرآن پاک میں جو صفاتِ الٰہیہ، احکام دین اور قصص و حکایات بیان کی گئی ہیں۔ اسماعیلی ادیب و عالم ان میں سے کسی کو ظاہر پر محمول نہیں کرتا۔ وہ ہر حکم یا نام کی تاویل کرتا ہے اور اسی کو علم سینہ کہتا ہے۔ میں اس تاویل کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے قارئین محظوظ ہو سکتے ہیں۔

ہمارے کلمۂ طیبہ کا ایک جزء ہے لا الٰہ الا اللہ مگر اسماعیلی ادب میں اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے۔

لا امام الا امام الزمان	اس طرح قبلہ کی طرف کھڑے ہونا۔
اس کی تاویل یہ ہے :-	امام الزمان کی طرف متوجہ ہونا۔
ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر یعنی	نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتیں۔

یا

"پنجتن پاک" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ۔

تاویلیں

نماز وضو کے بغیر درست نہیں۔ لاصلوٰۃ اِلّا بوضوء	یعنی حضرت علیؓ کی وصایت کے اقرار کے بغیر آنحضرت صلعم کی نبوت کا اقرار صحیح نہیں۔
بیت الخلاء میں دیر تک نہ بیٹھے	یعنی باطل پر دیر تک قائم نہ رہے۔
مینگنی، ہڈی اور مُردار چیزوں سے طہارت نہ کرے۔	امام الزمان ہی کے علم سے طہارت حاصل کرے نہ کہ اہلِ باطن کے علم سے۔

قرآنی تاویلات

الم۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ۔	ذٰلک الکتٰب سے اشارہ حضرت علیؓ کی طرف ہے۔
ولئن اجتمعت الجنّ والانس علیٰ ان یأتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یأتون بمثلہٖ۔	یہاں قرآن سے مراد حضرت علیؓ اور فاطمی ائمہ ہیں۔
ولقد اٰتینا موسی الکتٰب وقفّینا من بعدہٖ بالرسل۔	کتاب سے مراد وصی اور رُسل سے مراد ائمہ فاطمیین ہیں۔
واذ اخذنا میثاقکم	یہاں میثاق سے مراد میثاقِ وصایت ہے جو غدیر خم میں لیا گیا۔
اُدعُ الیٰ سبیل ربّک	رب سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔
بئرِ معطّلۃ و قصرِ مشید	بیکار کنوئیں یعنی حضرت علیؓ، پختہ محل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة	نماز جمعہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت
فاسعوا الیٰ ذکر اللہ	ذکر اللہ یعنی حضرت علیؓ

ان چند حوالوں سے اسماعیلی تاویلوں کی نوعیت معلوم ہو جاتی ہے۔

بیت اللہ اور اس کے متعلقات کی تاویلات

بیت اللہ کا قصد	-	امام کی طرف متوجہ ہونا۔
کعبہ	-	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
باب کعبہ	-	حضرت علی رضی اللہ عنہ
حجر اسود	-	امام الزمان کی وہ حجت جو ان کے بعد امام ہو۔
لبیک کہنا	-	امام کی دعوت کا جواب دینا
خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرنا	-	سات اماموں کے احکام کی پیروی کرنا
صفا و مروہ	-	حضرت محمد صلعم اور حضرت علی رضؓ
بیت اللہ کو پردوں سے ڈھانکنا	-	باطنی شریعت کو ظاہر سے ڈھانکنا
عید الفطر	-	امام مہدی کا ظہور
عید الاضحیٰ	-	قائم القیامہ یعنی دور کشف کے پہلے امام کا ظہور

(منقول از اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام از ڈاکٹر زاہد علی)

غرض اسی طرح اسماعیلی ادب میں تاویلات کا ایک ذخیرہ ملیگا۔ ان میں سے اکثر کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اور بعض تو بالکل بے معنی سی معلوم ہوتی ہیں۔

حرمت قیاس ورائے یہ بھی علم وفن کی ایک ستم ظریفی ہے کہ وہ قوم جو دینی معاملات میں قیاس ورائے کی حرمت کی قائل ہو۔ اس کے اصل دین کی بنیاد تاویلات پر ہو گیا تاویل قیاس ورائے کے بغیر ممکن ہے۔ پھر جس ادب کی بنیاد ہی تاویلات پر ہو گی اس کے معانی ومفہوم کے معتین کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کی ایک تاویل کی۔ دوسری مرتبہ آپ نے اسی آیت کی دوسری تاویل کی۔ آپ سے جب پوچھا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو فرمایا کہ تاویلات تو ایک ہی آیت کی ستر تک ہو سکتی ہیں۔ جب تاویلوں کا یہ حال ہے تو پھر کسی شریعت کی بنیاد محض تاویلات پر رکھ کر دین کو انتشار سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟

محی الدین ابن عربی

لیکن اس کے باوجود اسماعیلیوں کو تاویل و بطنِ شریعت سے اتنی عقیدت ہے کہ انہوں نے بعض سنی صوفیاء کو بھی محض اس لئے اسماعیلیت کا داعی قرار دیا ہے کہ وہ وجوہ تاویل کے قائل ہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جلال الدین رومی۔

جنہوں نے شیخ کی تفسیر اور دوسری تصانیف پڑھی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے مسلک کی بنیاد بھی زیادہ تر تاویلات بعید پر ہے۔

جلال الدین رومی

اسی طرح مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں بڑے زور شور سے بطن شریعت کی دعوت دی ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں ؎

حرفِ قرآں را مداں کو ظاہر است	زیر ظاہر باطنے ہم قاہر است
زیر آں باطن یکے بطنے دگر	خیرہ گردد اندراو فکر و نظر
ہم چنیں تا هفت بطن اے بوالکرم
می شمر تو ایں حدیث معتصم

ترجمہ:۔ حروفِ قرآن کے متعلق یہ مت خیال کرو کہ وہ صرف ظاہر ہے۔ ہر ظاہر کے نیچے باطن بھی موجود ہے۔ اور پھر اس باطن کے نیچے ایک باطن ہے جہاں فکر و نظر حیران ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ظاہر کے سات باطن سمجھنے چاہئیں۔

اسماعیلی فقیہہ قاضی نعمان بن محمد نے جب فقہ کی ایک کتاب "دعائم الاسلام" لکھی اور لوگوں کے لئے ظواہر شریعت کے قوانین مرتب کئے تو اس کے بعد انہیں خود اپنی کتاب کی ایک تاویل لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا نام "تاویل الدعائم" ہے۔

آگے چل کر میں یہ بیان کروں گا کہ ہم لوگ تاویل امثال، تشبیہ اور استعارے کے مخالف نہیں بلکہ ہم بھی اسے ادب لطیف کا ایک جزو سمجھتے ہیں اور دینی قرآن کے سمجھنے میں اکثر اس سے مدد لیتے ہیں

لیکن ادب لطیف بھی قواعد کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا ہمارے نزدیک تاویلوں اور استعاروں کے باب میں بھی قواعد شرعیہ کی پابندی ضروری ہے۔

علم حقیقت

علم حقیقت کی تعریف

اسماعیلی ادب میں "علم حقیقت" اس علم کو کہتے ہیں جس میں "مبدء و معاد" سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ "فلسفۂ اسماعیلیت" کا ایک معرکۃ الآراء موضوع ہے اور جب وہ اس

پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو ان کا اندازِ فکر افلاطونی فلسفہ سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور کہیں کہیں ان کا یہ فلسفہ "ہندو فلسفہ" سے بھی متاثر نظر آتا ہے جیسے بعض لوگ یونانی حکیم فیثاغورث کا فلسفہ بھی کہتے ہیں۔

فلسفہ کی بنیاد مفروضات پر

میں اس جگہ ایک حکیمانہ نکتے کی یاد دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمیشہ سائنس اور فلسفہ کی بنیاد چند مفروضات پر ہوتی ہے۔ ایک فلسفی کا جو بھی نظریا مقصود بیان ہوتا ہے وہ اسے ثابت کرنے کے لئے پہلے کوئی مفروضہ پیش کرتا ہے اور پھر اسی پر اپنی تحقیقات کی بنیاد ڈالتا ہے۔

فلسفۂ اسماعیلیت میں علمِ حقیقت پر جس طرح بحث کی گئی ہے۔ اسے دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس بحث کی بنیاد بھی چند مفروضات پر ڈالی گئی ہے۔

ابتداءِ خلقت

وہ کہتے ہیں کہ مبدع تعالیٰ نے ابتداء میں اپنی قدرت سے بہت سی صورتیں پیدا کیں جو کمالِ اوّل یعنی حیات، علم اور قدرت میں یکساں تھیں۔ یہ ساری صورتیں نورانی تھیں اور ان میں کسی طرح کی کثافت نہیں تھی۔

عقلِ اوّل

ان صورتوں میں سے ایک صورت نے اپنے ہم جنسوں پر غور کیا، ان کی حیات و تخلیق پر غور کیا، وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ ان کا کوئی خالق ہونا چاہیئے۔ اور وحدانیت کی گواہی دی۔ اس معرفت نے اس صورت کو اپنے سارے ہم جنسوں پر فضیلت عطا کر دی۔ اس کو معرفت میں اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔ اور مبدع تعالیٰ نے اس عرفان کے باعث اس کو اپنا مقرب بنایا اور ایسا نور عطا کیا جس سے وہ اپنے ساتھیوں سے ممتاز ہو گئی۔ کمالِ اوّل تو اسے پہلے ہی حاصل تھا اب کمالِ ثانی بھی حاصل ہو گیا یعنی اسے "علم ما کان وما سیکون" حاصل ہوا۔ اس صورت کو اسماعیلیوں کے علمِ حقیقت میں "عقلِ اوّل" کہتے ہیں۔

عقلِ ثانی

عقلِ اوّل کو دیکھ کر ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتوں میں ایک تحریک پیدا ہوئی۔ وہ یہ سوچنے لگیں کہ آخر "عقلِ اوّل" کو فضیل و کمال کیسے حاصل ہوا۔ آخر ان دونوں صورتوں نے بھی خدا کی وحدانیت اور عقلِ اوّل کی سبقت کا اقرار کیا۔ مگر ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت توحید اور عقلِ اوّل کے عرفان میں دوسرے سے آگے تھی۔ اس پہلی صورت کو "عقلِ اوّل" نے اپنا حاجب یا نائب بنایا اور اسے بھی "کمالِ ثانی" حاصل ہو گیا۔ اور یہ بھی "علم ما کان وما سیکون" پر حاوی ہو گئی۔ اس دوسری صورت کا نام "عقلِ ثانی" ہے۔

عقلِ ثالث

تیسری صورت جو عقلِ اوّل کے عرفان میں پیچھے رہ گئی تھی، اسے چاہیئے تھا کہ اپنے اس نقص کا اقرار کرتی۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا اور اپنے آپ کو دوسری صورت یعنی عقلِ ثانی کے برابر سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں ظلمت پیدا ہونے لگی۔ اگر وہ عقلِ ثانی کی سبقت کا اقرار کر لیتی تو وہ عقلِ ثالث بن جاتی اور

آج اس کا شمار عقل عاشر میں نہ ہوتا۔

دوسری سات عقلیں اب عقل اوّل نے عقل ثانی کو اپنا حاجب بنایا اور اس کے ذریعہ عالم ابداع کی دوسری صورتوں کو خدا کی توحید کی طرف بلایا۔ سات عقلوں نے یکے بعد دیگرے اس کی دعوت قبول کی اور وحدانیت الٰہی کا اقرار کیا۔ ہر عقل کے ساتھ نورانی صورتوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو اس کی پیروی کرتی تھی۔

عقل عاشر اب عقل ثالث کی سرگزشت سنیئے۔ اس نے جب دیکھا کہ عقل ثانی کی سبقت کا اقرار نہ کرنے کے باعث وہ دوسری تمام صورتوں سے پیچھے رہ گئی تو اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور عقل ثانی کی سبقت کا اقرار کیا اور عقل تاسع کی آخری صورت سے اپنی اس پس ماندگی کا سبب پوچھا۔ اس نے اس کی وجہ بتائی اور معافی چاہنے کی تحریک کی۔ یہ سن کر اس نے تمام عقول کو اپنا شفیع بنایا اور اپنے گناہ کی معافی چاہی۔ اس طرح عقل ثانی نے اس کا گناہ معاف کیا اور اب یہ صورت "عقل عاشر" بن گئی۔ ذرا سے استکبار نے اس کو تیسرے درجہ سے دسویں درجہ میں پہنچا دیا۔

ہیولیٰ اور جسم کلّی جس وقت عقل عاشر نے عقل ثانی کی سبقت سے انکار کیا تھا اس وقت اس کے ساتھ اور بھی بہت سی صورتیں تھیں وہ بھی اس کے ساتھ گمراہ ہو گئیں لیکن جب "عقل عاشر" کو معافی دی گئی تو ساتھ ہی اس سے یہ کہا گیا کہ جو صورتیں تمہاری وجہ سے گمراہ ہوتی ہیں ان کی ہدایت و رہبری تم پر فرض ہے۔ ان صورتوں کے مجموعے کو ہیولیٰ اولیٰ کہتے ہیں "عقل عاشر" نے ان گمراہ صورتوں کو دعوت ہدایت و وحدانیت دینی شروع کی اور کہا کہ اگر تم میری دعوت قبول کر لو گی تو میری طرح تمہارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے مگر ان صورتوں نے یہ دعوت قبول نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن بدن ان میں ظلمت و تاریکی پیدا ہوتی گئی۔ آخر اپنی تاریکی سے گھبرا کر ان صورتوں نے حرکت کی۔ اس حرکت سے ان کی ذات میں طول، عرض اور عمق پیدا ہو گیا۔ یہ حرکت عقل عاشر ہی کے ارادہ سے ہوئی تھی اس لئے اس کو عالم طبیعت کا مدبّر کہتے ہیں۔ اب یہ تمام صورتیں مجسّم ہو کر جسم کلّی کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔

زمین و آسمان کی خلقت آگے چل کر ان صورتوں یا جسم کلّی کی بھی تین قسمیں ہو گئیں۔ نادم، متشکک اور مستکبر۔

جن صورتوں نے اپنے گناہ پر اظہار ندامت کیا "عقل عاشر" نے ان صورتوں کے رہنے کے لئے سات افلاک اور کواکب بنائے۔ ہندو فلسفہ میں بھی اجرام سماوی کو نیک ارواح کا مسکن بتایا گیا ہے اور جو صورتیں متشکک تھیں ان سے عقل عاشر نے عناصر اربعہ پیدا کئے اور جو صورتیں مغرور و مستکبر نکلیں ان سے زمین

تیار کی گئی۔

جمادات، نباتات، حیوانات اس کے بعد زمین اور اجرام سماوی نے حرکت کی اور اس سے موالید ثلٰثہ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات پیدا ہوئے۔

انسانی پیدائش عقل عاشر کی اس تخلیق کے بعد پچاس ہزار سال تک عالم ابداع میں سکون رہا۔ کوئی نئی تخلیق ظہور میں نہیں آئی۔ پچاس ہزار سال کے بعد ایک نئی تخلیق کا ظہور ہؤا یعنی انسان وجود میں آیا اور اس کی پیدائش موالید ثلٰثہ کے بخارات سے ہوئی۔

لنکا ان انسانوں میں بہترین انسان سراندیپ (لنکا) میں پیدا ہوئے۔ ان میں بھی اٹھائیس افراد منتخب روزگار تھے۔

حضرت آدمؑ ان منتخب اشخاص میں سے ایک شخص کو کسی تعلیم و الہام کے بغیر اپنے خالق کا خیال آیا اور وحدانیت کا اقرار کیا۔ عقل عاشر نے اس کو ان تمام لوگوں کا سردار اور مقتدا بنایا۔ اس شخص کو اسماعیلی اصطلاح میں "صاحب جثہ ابداعیہ" کہتے ہیں۔ اس کا درجہ جسمانی عالم میں وہی ہے جو عقل اوّل کا روحانی عالم میں ہے اسے آدم اوّل بھی کہتے ہیں۔

آدم اوّل نے اس منصب پر فائز ہونے کے بعد اپنی دعوت و تبلیغ کے لئے ستائیس آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور وہ ان کے نائب بن گئے۔ ان نائبوں کو اسماعیلی اصطلاح میں دعوت کی حدود کہتے ہیں اور آدم اوّل اور ان کے ساتھیوں کو اولوا العلم۔

اسماعیلی اکابر قرآن پاک کی اس آیت شھد اللہ انہ لا الٰہ الّا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائمًا بالقسط کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں اللہ سے عقل اوّل، ملائکہ سے نو عقول مجردہ اور اولوا العلم سے آدم اوّل اور ان کے ستائیس نائب مراد ہیں۔

اسماعیلیوں کے مراتبِ دعوت میرا خیال ہے کہ یہاں تک وہ مفروضہ ہے جس پر آگے فلسفۂ امامت کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسماعیلی مسلک میں دعوت کے مراتب اس طرح ہیں:-

۱	ناطق	یہ ہم رتبہ ہے	عقل اوّل کے
۲	اساس	" " "	عقل ثانی "
۳	امام	" " "	عقل ثالث "
۴	باب	" " "	عقل رابع "
۵	حجت	" " "	عقل خامس "

۶	داعی البلاغ	یہ ہم رتبہ ہے	عقل سادس کے
۷	داعی مطلق	〃 〃 〃	عقل سابع 〃
۸	داعی محدود	〃 〃 〃	عقل ثامن 〃
۹	ماذون مطلق	〃 〃 〃	عقل تاسع 〃
۱۰	ماذون محدود	〃 〃 〃	عقل عاشر 〃

دَورِ کشف، دَورِ فترت اور دَورِ ستر میں اسی طرح اسماعیلی دعوت کا نظام پھیلا ہؤا ہے۔ اس خاکہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی دعوت کا ہر درجہ ایک عقل مجرد کے مقابل ہے۔ اس لئے جو شخص ان کی دعوت قبول کرتا ہے وہ نقطۂ نور کی طرف بڑھتا جاتا ہے اور دعوت کی حدود طے کرنے کے بعد تمام نفوس امام میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کے مجموعے کو لاہوت کہتے ہیں اور امام کے جسم کو ناسوت وغیرہ وغیرہ۔

اخوان الصّفا اسماعیلی علماء نے اس علم حقیقت پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے راحۃ العقل، المبدء والمعاد۔ زھر المعانی وغیرہ لیکن اس موضوع پر سب سے مشہور اخوان الصفا کے رسائل ہیں۔ اس کے مصنف کے نام کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ رسائل ایک خفیہ انجمن کی طرف سے لکھے گئے ہیں اور یہ انجمن غالباً قرامطی اسماعیلیوں کی انجمن تھی جس کا مرکز بصرہ تھا۔

ان رسائل کی تصنیف کی غرض و غایت یہ بتائی گئی ہے کہ جب عہد مامون رشید میں یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ ہونے لگا اور اس راستہ سے مسلمانوں میں دہریت آنے لگی تو اسماعیلیوں کی ایک خفیہ انجمن نے اخوان الصّفا کے رسائل تیار کئے تا مسلمانوں کو سیلاب دہریت سے بچایا جائے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی ان رسائل کو ایک خفیہ انجمن کا شاہکار قرار دیا ہے۔ غالباً انہوں نے "عرب و ہند کے تعلقات" کی کسی تقریر میں ان رسائل کا ذکر کیا ہے۔

دعوتِ فاطمی کے مراتب

جس نے دعوتِ فاطمی کی تفصیلات کا مطالعہ کیا ہے وہ ضرور اس خیال سے متاثر ہوگا کہ اس میں جا بجا تعطیلِ شریعت کا نظریہ پایا جاتا ہے حالانکہ یہ اسلامی ماحول کی ایک تحریک ہے اور اس کی نسبت "پنجتن پاک" رضی اللہ عنہم کی طرف ہوتی ہے اسی لئے ایک مسلمان مورخ تاریخ فاطمیت کے مطالعہ سے ذرا دلگیر ہوتا ہے۔ محققوں نے اس نظریۂ تعطیل شریعت کے اسباب کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔

میمون قداح کہتے ہیں کہ دعوتِ فاطمی میں اس نظریے کی داغ بیل سب سے پہلے میمون قداح نے ڈالی۔ یہ

ایران کا ایک باشندہ تھا اور مذہب ثنویت کا قائل تھا۔ اس نے ثنویت پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام کتاب المیزان ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عباسیوں نے ان پر سخت نگرانی شروع کی اور امام اسماعیل کو حکومت کے حوالہ کرنے کا حکم دیا تو اس وقت فاطمی ائمہ دور ستر میں چلے گئے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی نے اپنے پوتے محمد بن اسماعیل کو بھی چھپا کر ایران بھیجدیا اور میمون القداح کو ان کا کفیل بنایا۔ یہی شخص محمد بن اسماعیل کی طرف سے بیعت لیتا تھا اور ان دنوں دعوت فاطمی کا صدر تھا۔ ان کے بعد ان کا لڑکا عبداللہ، محمد بن اسماعیل کے لڑکے عبداللہ کا کفیل بنا۔ اس طرح یہاں سے دو سلسلے قائم ہوئے۔ ایک سلسلہ اماموں کا اور دوسرا کفیلوں کا۔

نو مراتب عبداللہ بن میمون القداح نے اپنے باپ سے ثنویت اور اسماعیلیت دونوں مسلکوں کی تعلیم پائی تھی۔ اس نے فری میسنری نظام کی طرح اسماعیلی نظام کے بھی نو درجات مقرر کئے۔ جب کوئی شخص یہ درجات طے کر لیتا اس کے نزدیک شریعت کی پابندی غیر ضروری ہو جاتی۔

ائمہ مستورین اسی عبداللہ بن میمون القداح نے حضرت امام جعفر صادق رضی کے پوتے محمد بن اسماعیل کے لڑکے عبداللہ کی کفالت کی اور اس کے بعد امام عبداللہ بن محمد کے بیٹے اور پوتے کی کفالت بھی اسی خاندان نے کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں دولت عباسیہ کی ہوشیار کڑی نظر تھی اس لئے یہ ائمہ عباسی حکام کی نظروں سے چھپتے پھرتے تھے۔ ان دنوں جن ائمہ کو روپوش ہونا پڑا ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی

۲۔ احمد بن عبداللہ

۳۔ حسین بن احمد

یہ تینوں تاریخ فاطمیین میں ائمہ مستورین کے نام سے مشہور ہیں۔ ان تینوں کی کفالت میمون القداح کی اولاد نے کی۔ اور اتفاق سے کئی امام اور کفیل ہم نام بھی ہوئے ہیں جس سے مورخوں کو امام و کفیل کے حسب و نسب اور ناموں کی تعیین میں بڑی مشکلات پیش آئی ہیں۔

عبداللہ المہدی چنانچہ فاطمی تاریخ کی ایک بڑی اہم بحث یہ ہے کہ وہ عبداللہ جو رقادہ (افریقہ) میں مہدی بن کر ظاہر ہوا۔ وہ میمون القداح کی نسل سے تھا یا حضرت محمد بن اسماعیل کی نسل سے؟ اس بحث کے چھوڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ بن میمون القداح اور عبداللہ بن محمد بن اسماعیل دونوں کے پڑپوتوں کا نام عبداللہ ہی ہے۔

فاطمی تاریخ میں اس عبداللہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جو رقادہ میں ابوعبداللہ شیعی کی کوشش و اخلاص سے تختِ سلطنت پر بیٹھا اس لئے کہ اس کے بعد ہی اسماعیلی داعیوں اور اماموں کو ظاہر ہونے کا موقعہ ملا اور مصر و بلادِ مغرب میں فاطمی حکومت قائم ہو گئی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ جو رقادہ میں مہدی بن کر ظاہر ہوا۔ وہ عبداللہ بن میمون القداح کی نسل سے تھا۔ ابوعبداللہ شیعی جن کی جدو جہد اور قربانیوں سے عبداللہ کو حکومت ملی۔ بلکہ یوں کہئے کہ جس نے نذرانے یا اظہارِ عقیدت کے طور پر عبداللہ کو حکومت سونپی۔ اس کا رویہ بھی یہی بتاتا ہے کہ وہ بھی اس کو عبداللہ بن میمون القداح کی نسل سے ہی سمجھتا تھا۔ وہ بار بار یہ کہا کرتا تھا کہ میں نے امام مہدی کی شناخت میں اسی طرح غلطی کی جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے ستارے کو دیکھ کر خدا کے پہچاننے میں غلطی کی تھی۔ اسی بنا پر ابوعبداللہ شیعی جیسا محسن دکرم فرما عبداللہ کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔

میمون قداح و محمدؐ بن اسماعیل

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میمون قداح اور محمدؐ بن اسماعیل دو الگ وجود نہیں بلکہ تقیہ کے طور پر محمد بن اسماعیل نے ہی اپنا یہ نام رکھ لیا تھا۔ چونکہ وہ زمانہ اسماعیلیوں کے لئے سخت امتحان و آزمائش کا تھا، دولتِ عباسیہ ان کی مخالف تھی اس لئے انہیں اپنے آپ کو صیغۂ راز میں رکھنا پڑتا تھا۔

بہرصورت یہ مختلف روایات ہیں جنہوں نے میمون القداح کو محمد بن اسماعیل اور عبداللہ بن میمون کو عبداللہ بن محمد کا کفیل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلکِ اسماعیلیت میں "تعطیلِ شریعت" کا نظریہ انہیں کے ذریعہ آیا۔

لیکن محقق مورخوں میں سے ابن خلدون اور ان کے شاگرد مقریزی کا یہ قول ہے کہ مصر کے فاطمی خلفاء کے فاطمی النسل ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

جماعت احمدیہ کا نظامِ فکر

اسماعیلی کتب میں جس طرح امامت کی تشریح و توضیح کی گئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایک خاص "نظامِ فکر" ہے اور اس سلسلہ کے اماموں، داعیوں اور علماء نے اس "نظامِ فکر" کو استوار کرنے میں بڑی ذہنی کاوش سے کام لیا ہے۔

اہلِ ظواہر

اس جگہ میں اہلِ سنت والجماعت کے تمام فرقوں کا ذکر نہیں کر سکتا۔ ان میں بعض فرقے تو ایسے ہیں جن کا اندازِ فکر اسماعیلیوں کے اندازِ فکر سے بالکل مختلف ہے اور یہ فرقہ اہلِ ظواہر کا ہے۔ اس کے سرخیل داؤد ظاہری ہیں لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عباسی خلیفہ منصور کے خلاف حضرت

امام حسن کے پڑپوتے "نفس زکیہ" کی تائید کی تھی ان سے بھی جب ید اللہ کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ :-

الید معلومة والکیفیة مجھولة	ہاتھ معلوم ہے۔ اس کی کیفیت مجہول ہے۔
والسؤال عنھا بدعة والایمان بھا واجب۔	اس کے متعلق سوال بدعت ہے اور اس پر ایمان واجب ہے۔

اہلِ تجسیم اہلِ ظواہر کے نزدیک یہ طریق احتیاط ہے لیکن اس احتیاط کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی "اہلِ تجسیم" کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ یہ گروہ خدا کو بھی گوشت پوست کا بنا ہوا مانتا ہے قرآن واحادیث میں اظہارِ مفہوم کے لئے خدا کے جن جن اعضاء کا ذکر آیا ہے ان سے استدلال کرتے ہوئے خدا کی "تجسیم" کا قائل ہے۔ عبدالکریم شہرستانی وغیرہ نے اس فرقہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ محض ظاہر پرستی کوئی طریق احتیاط نہیں۔ اس کے علاوہ نفسیاتی طور پر بھی ظاہر پرستی طبیعت میں خشونت اور عقل و فکر میں خشکی و یبوست پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے اہلِ دل نے ہمیشہ طریق وسط کو ترجیح دی ہے۔ وہ نہ ظاہر پر مرتے ہیں نہ باطن سے بھاگتے ہیں۔ وہ قانونِ قدرت اور سیاقِ کلام کے مطابق ظاہر کو باطن کی طرف اور باطن کو ظاہر کی طرف پھیرتے ہیں۔

وہ ید اللہ فوق ایدیھم کو ظاہر سے پھیر کر اس کے یہ معنے بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قدرت انسان کی قدرتوں سے بالا ہے۔ اسی طرح جہاں کسی موصوف کا ذکر کرنے کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کیا ہے تو اس جگہ صفت کا اطلاق موصوف پر کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک میں ذکر، نور اور سراج کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی صفات ہیں جن کو ہم باطن کہہ سکتے ہیں۔ اس جگہ باطن کو ظاہر کی طرف پھیرتے ہیں اور صفت سے موصوف مراد لیتے ہیں۔

اسی طرح اہلِ ذوق لسانی آداب یعنی تاویل، استعارہ، حقیقت و مجاز اور تشبیہ و کنایہ وغیرہ کے قائل ہیں۔ اور حسب ضرورت کلام کے سمجھنے اور سمجھانے میں ان سے مدد لیتے ہیں۔

گروہ صوفیاء اہل السنت والجماعت کا وہ معزز گروہ جس کو گروہ صوفیاء کہتے ہیں۔ یہ بزرگ طائفہ شریعت و حقیقت اور زبان و آداب کے ان اقتضاؤں کو ملحوظ رکھنے میں مشہور ہے۔ اسی لئے بعض اوقات اسے بھی اہلِ حقیقت یا اہلِ باطن کہہ دیا جاتا ہے۔

جماعت احمدیہ اور استعمال تشبیہ و استعارہ اہل سنت والجماعت میں سے جماعت احمدیہ کا مسلک بھی یہی ہے اور یہ بھی اسی طریق وسط پر گامزن ہے۔

ادبِ احمدی کا ایک بڑا حصہ تاویل، استعارات اور بلاغت کے دوسرے فنون پر مشتمل ہے خصوصاً حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے مقام و منصب کے بیان کرنے میں ان فنونِ بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ میں اس جگہ آپ کے چند فارسی اشعار نقل کرتا ہوں جس میں آپ نے اپنی روحانی تدریجی ترقی اور مقاماتِ عالیہ کے بیان کرنے میں تشبیہ و تشبیہ اور استعارہ در استعارہ سے کام لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں سہ

(۱) آں کہ گوید ابن مریم چوں شدی ہست او غافل ز رازِ ایزدی

جو مجھے کہتا ہے کہ آپ ابن مریم کس طرح بن گئے وہ اللہ تعالیٰ کے راز سے ناواقف ہے

(۲) آں خدائے قادر و ربّ العباد در براہیں نامِ من مریم نہاد

اس خدائے قادر و ربّ العباد نے "براہین احمدیہ" میں میرا نام مریم رکھا

(۳) مدتے بودم بہ رنگِ مریمی دست نا دادہ بہ پیرانِ زمی

میں ایک مدت تک مریمؑ کے رنگ میں تھا۔ مشائخ زمانہ کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا تھا

(۴) ہمچو بکرے یافتم نشو و نما از رفیقِ راہِ حق ناآشنا

میں نے ایک کنواری لڑکی کی طرح نشو و نما پائی جو اس وقت راہِ حق کے رہنما سے ناآشنا ہوتی ہے

(۵) بعد ازاں آں قادر و ربِّ مجید روحِ عیسیٰ اندراں مریم دمید

اس کے بعد اس قادر اور ربِ بزرگ نے عیسیٰؑ کی روح اس مریم میں پھونکی

(۶) پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں زاد زاں مریم مسیحِ ایں زماں

اس نفخ روح کے بعد دوسرا رنگ ظاہر ہوا۔ اس مریم سے اس زمانے کا مسیح پیدا ہوا

(۷) زیں سبب شد ابن مریم نامِ من زانکہ مریم بود اوّل گامِ من

اسی سبب سے میرا نام ابن مریم ہو گیا۔ میرا پہلا قدم مریمؑ کے قدم پہ لگا

(۸) بعد ازاں از نفخِ حق عیسیٰ شدم شد زجائے مریمی برتر قدم

اس کے بعد خدا کے نفخ سے میں عیسےٰ ہوا اور مقامِ مریمؑ سے میرا قدم اونچا ہو گیا

(حقیقۃ الوحی)

کشتی نوح کی عبارت

ان اشعار میں جس طرح آپ نے اپنے آپ کو حضرت مریم اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام سے تشبیہ دی ہے اور استعارے کے رنگ میں اپنی اس تدریجی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ اپنی دوسری تصنیف "کشتی نوح" میں خود اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ میں اس جگہ کشتی نوح کی یہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ آپ کی تحریر میں تشبیہ اور استعارے کا رنگ کتنا غالب ہے۔

آپ لکھتے ہیں :۔

"اسی کی طرف سورۃ تحریم میں بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے۔ جس نے پارسائی اختیار کی تب اس کے رحم میں عیسٰی کی روح پھونکی گئی اور عیسٰی اس سے پیدا ہوا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس امت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مقام اس کو ملے گا پھر اس میں عیسٰی کی روح پھونکی جاوے گی۔ تب مریم میں سے عیسٰی نکل آئے گا۔ یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسٰی ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ ابن مریم کہلائے گا۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۷ مطبوعہ ۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

مہدئ موعود کے دعاوی مذکورہ بالا عبارات اس تحریر کا ایک نمونہ ہے جو حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام اور اکابر سلسلہ کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ آپ کے بہت سے دعاوی کا سمجھنا رموز تشبیہ و استعارہ کی واقفیت کے بغیر ناممکن ہے۔ آپ کے یہ دعاوی کہ ؎

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا ✦ منم محمدؐ و احمدؐ کہ مجتبےٰ باشد

یا آپ کا یہ فرمانا کہ ؎

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں ✦ نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

ان تمام دعاوی کی حقیقت کے سمجھنے میں علوم بلاغت سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر ان حقائق کا ادراک بہت مشکل ہے۔

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے خلاف ظاہر پرست علماء نے جو زبان درازیاں کیں اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ علم بلاغت کے اسرار و رموز سے ناواقف تھے یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے تھے۔ ورنہ ہر ادب لطیف ایسے استعاروں، کنایوں اور تشبیہوں کو زیادہ سے زیادہ سمونے کی کوشش کرتا ہے۔

قرآنی بلاغت اسلامی ادب میں قرآن مجید سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی دوسری کتاب نہیں۔ اس کی تلاوت کیجئے ہر جگہ حقیقت مجاز کا، اشارہ مشار الیہ کا، اور تشبیہ مشبہ بہ کا تعاقب کرتی نظر آئے گی۔ جس نے ابھی تک قرآن مجید کے اس حسن کا مطالعہ نہیں کیا ہے اس کو جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی "تفسیر کبیر" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

علم تاویل مباحثہ لدھیانہ میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام مولوی محمد حسین بٹالوی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم کے مخالف پایا تو خدا نے تاویل کا باب میرے پر کھول دیا ہے۔"

اس پر اڈیٹر الحق نے ایک نوٹ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"عوام الناس نے جو علم الہٰی سے مطلق ناآشنا ہیں تاویل کو مرادف وہم بلکہ تحریف و تسویل کے سمجھ رکھا ہے یہ محض ان کی کوتاہ فہمی ہے" (الحق صفحہ ۲۰-۲۱)

ملفوظات ملفوظات حصہ اول میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی تاویل کی ایک مثال بھی موجود ہے۔ اس میں آپ نے انسان کے دل کو حجر اسود کے مشابہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ:۔

"انسان کے سینے میں دل ایسا ہی ہے جیسے بیت اللہ میں حجر اسود" (ملفوظات صفحہ ۱۷)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دلا طواف دلاں کن کہ کعبہ مخفی است ✤ کہ او خلیل بنا کرد و ایں خدا خود ساخت

آئینہ کمالات اسلام سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنی تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں اس سے بھی زیادہ معرفت افزا بات کہی ہے اور وہ اس مکتب خیال کا جواب ہے جو عارفوں کے اکثر اقوال کو کنہ باری میں بے جا مداخلت کہہ کے علم و عرفان کا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"پھر جب میں رات کو بعد تحریر نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقب و محامد صحابہ رضی اللہ عنہم سویا تو مجھے ایک نہایت پاک اور مبارک رؤیا دکھایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک وسیع مکان میں ہوں جس کے نہایت کشادہ اور وسیع دالان ہیں اور نہایت مکلف فرش ہو رہے ہیں اور اوپر کی منزل ہے اور میں ایک جماعت کثیر کو ربانی حقائق و معارف سنا رہا ہوں اور ایک اجنبی و غیر مقلد مولوی اس جماعت میں بیٹھا ہے جو ہماری جماعت میں سے نہیں ہے مگر اس کا حلیہ پہچانتا ہوں وہ لاغر اندام اور سفید ریش ہے۔ اس نے میرے اس بیان میں دخل بے جا دیکر کہا کہ یہ باتیں کنہ باری میں دخل ہے اور کنہ باری میں گفتگو کرنے کی ممانعت ہے۔ تو میں نے کہا کہ اے نادان! ان باتوں کو کنہ باری سے کوئی تعلق نہیں یہ معارف ہیں"

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۲۱۶)

حدیث مؤید تاویل ہم احمدیوں کے علم تاویل کی بنیاد آیات قرآنیہ کے علاوہ حضرت ابوالدرداءؓ کے اس قول پر بھی ہے کہ:۔

انک لا تفقہ کل الفقہ — یعنی تجھ کو قرآن کا پورا فہم کبھی عطا نہیں ہوگا جب تک تجھ پر
حتی تری للقرآن وجوھاً — یہ نہ کھلے کہ قرآن کئی وجوہ پر اپنے معنے رکھتا ہے۔

ایسا ہی مشکوۃ میں یہ مشہور حدیث ہے کہ قرآن کے لئے ظہر اور بطن ہے اور وہ علم اولین اور آخرین پر مشتمل ہے (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۲ حاشیہ)

غرض جماعت احمدیہ نہ اہلِ ظواہر کی متبع ہے نہ اہلِ باطن کی مقلد بلکہ اس کا ایک "آزاد اور مستقل نظام فکر" ہے اور اس میں وہ معانی و بلاغت کے تمام فنون سے کام لیتی ہے۔

اسی لئے جب جماعت احمدیہ کے سامنے اسماعیلیوں کا فلسفۂ امامت بیان کیا جاتا ہے اور علم تاویل و تنزیل، حقیقت و مجاز، دورِ کشف و دورِ ستر، امام مستقر و مستودع، مقیم، وصی اور قائم القیامہ وغیرہ کی بحث چھیڑی جاتی ہے تو وہ اس سے نہ دل تنگ ہوتی ہے نہ مرعوب بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے ان علمی مباحث میں حصہ لیتی ہے۔

دورِ کشف و دورِ ستر

فلسفۂ اسماعیلیت کی ابتداء مبدع تعالیٰ کی ذات، صدرِ نورانیہ، عقول عشرہ، جسم ہیولیٰ اور زمین و آسمان کی نوعیتِ تخلیق سے ہوتی ہے مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ حقائق نہیں بلکہ وہ مفروضات ہیں جن پر اسماعیلی اکابر نے اپنے علم و دانش اور فکر و تدبر کی بنیاد ڈالی ہے ہم اس پر اسماعیلی علماء کو مطعون نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ ایک ناگزیر صورت ہوتی ہے جو ہر فلسفی کو پیش آتی ہے۔ یہ زمانہ علم و سائنس کا ہے اس وقت کے علماء اور سائنس دان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس ترقی یافتہ سائنس کی بنیاد بھی چند مفروضات پر ہے۔

دورِ ستر

میرا خیال ہے کہ فلسفۂ اسماعیلیت "دورِ ستر" میں آنے کے بعد حقیقت کا روپ اختیار کرتا ہے علم تنزیل و تاویل، ائمۂ ہدایت و ضلالت اور پیغامِ شریعت و حقیقت سبھی دورِ ستر کی باتیں ہیں۔ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔ تو وہ دورِ کشف جہاں بدی، ظلمت اور شیطان کا تصور ہی نہیں تھا وہاں نیکی، روشنی اور فرشتہ کا تصور کیسے قائم ہوگا؟ اس دور میں تو ان نوامیس فطرت کا وجود فرض ہی کیا جا سکتا ہے اس کی حقیقی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ اس کی حقیقی نشاندہی کے لئے ہمیں دورِ ستر میں آنا پڑے گا اس لئے ہم اسماعیلیوں کا فلسفۂ امامت سمجھنے کے لئے دورِ ستر کے واقعات پر غور کرتے ہیں۔

آدم اوّل

اسماعیلیوں کے نزدیک دورِ ستر کے پہلے امام حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنہیں انکی اصطلاح میں "صاحب جثہ ابداعیہ" کہا جاتا ہے۔ اس فلسفے میں آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی اور سلسلۂ رشد و ہدایت کا اقرار کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس سے عموماً علماء اہلِ سنت والجماعت نے انکار کیا ہے۔

ان کے نزدیک حضرت آدم پہلا انسان ہے جسے اللہ نے مٹی کے ایک پتلے میں پھونک مار کر زندہ کیا۔ وہ اس کے ساتھ ہی جنت، ابلیس، شجر ممنوعہ اور علم اسماء کو بھی ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور ہر امر کے متعلق عجیب و غریب افسانے سناتے ہیں۔ اس گروہ علماء کی تفاسیر اور بائیبل کے پڑھنے والے ان قصوں سے واقف ہیں۔

جماعت احمدیہ کی تحقیق لیکن جماعت احمدیہ کی تحقیق اسماعیلیوں کی تحقیقات سے ملتی جلتی ہے۔ ہم اس جگہ اس کی تمام جزئیات پر روشنی نہیں ڈال سکتے۔ بس اسی سے جماعت احمدیہ اور جماعت اسماعیلیہ کی "طرز فکر" میں جو یک رنگی ہے معلوم کی جا سکتی ہے کہ

حضرت آدم اول جماعت احمدیہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کو مطلقاً پہلا انسان نہیں مانتی۔ اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم سے پہلے بھی اس روئے زمین پر انسان بستے تھے مگر اس زمانے کی کوئی قابل ذکر تاریخ ہمارے پاس نہیں۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک آدم کی اولیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دور تہذیب کا پہلا امام یاد آتی ہے۔ وہ اس عہد کی نمائندگی کرتا ہے جس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسکو "دور آدمیت" ہی کہتے ہیں۔ انسان حضرت آدم سے پہلے دستور و آئین سے ناواقف تھا۔ سب سے پہلے حضرت آدم نے ہی زمین پر دستوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔

جنت، علم اسماء، ابلیس اور شجر ممنوعہ کے متعلق بھی جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان میں استعارے اور کنائے سے کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح مٹی اور پانی جس سے آدم کا خمیر تیار کیا گیا وہ بھی حقیقت و ظاہر پر مبنی نہیں۔ جماعت احمدیہ ان میں سے ہر لفظ کی تاویل کرتی ہے۔ ان تمام امور کی تفصیلات کے لئے ہمارے امام عالی مقام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی تفسیر کبیر اور آپ کی تقریر سیر روحانی و انقلاب حقیقی کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ وہ "طرز فکر" ہے جو ایک حد تک اسماعیلیوں کی طرز فکر سے ملتی جلتی ہے۔

دور کشف اسماعیلی مسلک میں حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جو ایک دور کشف مانا گیا ہے یہ اصل میں نیکی سے بدی کی طرف نزول ہے۔ یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ آدم اول سے پہلے بھی سلسلۂ رشد و ہدایت جاری تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی وہ مشہور روایت جس میں یہ کہا گیا ہے کہ :-

وادم کادمکم و محمد کمحمدکم۔　　　　اور آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور محمد بھی ہیں تمہارے محمد کی طرح۔

یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ اس آدم اول سے پہلے بھی کئی آدم آدم اور محمد کے دور زمانے میں آ چکے ہیں۔ اسماعیلی نظریہ میں صعود و ہبوط کا یہ سلسلہ جاری ہے اور یہ دور زمانہ ہے جو بار بار پلٹ پلٹ کر آتا ہے۔ عہد نیکی میں بدی اور عہد بدی میں نیکی جنم لیتی رہتی ہے۔

قدامتِ دُنیا

یہ مسئلہ کہ یہ دنیا اور نسلِ انسانی تخلیقِ آدم سے پہلے سے موجود ہے سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اس پر بہت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"ہم اس مسئلہ میں توریت کی پیروی نہیں کرتے کہ چھ ہزار سال سے ہی جب سے کہ آدم پیدا ہوا ہے اس دنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں تھا اور گویا خدا معطّل تھا۔ اور نہ ہم اس بات کے مدّعی ہیں کہ یہ تمام نسل جو اس وقت دنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہے اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے ان الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ اِنّی جاعل فی الارض خلیفہ۔ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی دنیا میں مخلوق موجود تھی پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اسی آخری آدم کی اولاد ہیں یا کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔" (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۶ بحوالہ الحکم ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

لنکا

اسماعیلی علماء کی یہ تحقیق کہ بہترین انسان لنکا میں پیدا ہوئے اس کی تائید بہت سے علماء اہلسنت الجماعت نے بھی کی ہے۔ بہت سی تفاسیر میں ہند، دجانا ر (دکن) اور سراندیپ کو حضرت آدمؑ کا ہبط اور جائے نزول بتایا گیا ہے۔ اس مسئلہ پر کامل ابن اثیر کی یہ عبارت بہت اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے:۔

کامل ابن اثیر

"حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، قتادہؓ اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان کے اس پہاڑ پر اُتارے گئے جس کا نام نود ہے اور جو سرزمین سراندیپ (لنکا) میں واقع ہے۔" (کامل ابن اثیر۔ ذکر الموضع الذی اھبط فیہ آدم و حواء من الارض)

جماعت احمدیہ کے نزدیک یہ جائے نزول مقام ہجرت ہے۔ اگرچہ احمدی کتب میں ابھی تک اس مقام کی تعیین نہیں کی گئی لیکن موجودہ امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقریر سیر روحانی صفحہ ۵۹ میں فکلوا منہا رغداً حیث شئتما کی مثال میں جنوبی ہند کے اس مقام کو پیش کیا ہے جہاں شریفے کے باغ بکثرت ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ کی نظر بھی حضرت آدمؑ کی تلاش کرتی ہوئی جنوبی ہند کی طرف جاتی ہے اور لنکا بھی اسی سمت ہے۔

صدرِ نورانیہ

لیکن اسماعیلی فلسفہ میں صدر نورانیہ کی پیدائش کی جو صورت بتائی گئی ہے وہ سوامی دیانند سرسوتی کے اس نظریہ سے ملتی جلتی ہے جس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے تبت کی سرزمین میں انسانوں کی ایک جمعیت پیدا کی گئی اور پھر انہیں میں سے خدا نے چار انسانوں (اگنی، وایو، انگرا، آدتیہ) کو اپنے

الہام کے لئے منتخب کیا۔ (دیکھئے ستیارتھ پرکاش مصنفہ دیانند سرسوتی)

حضرت آدمؑ کی شرعی حیثیت

اسماعیلیوں کے دینی ادب میں حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا رسول ناطق کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ان کو پہلا نبی مستودع ہونا چاہئے مگر عموماً اسماعیلی محققوں نے پہلا نبی مستودع حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ حضرت آدمؑ کو وہ رسول ناطق تو کہتے ہیں مگر نبی مستودع نہیں کہتے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت آدمؑ رسول ناطق تو ہیں مگر صاحبِ شریعت نہیں۔

اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو پھر اسماعیلی علماء کے نزدیک بھی حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا وہی تصور ہے جو جماعت احمدیہ کے نزدیک ہے۔ یعنی وہ نبی ہیں مگر صاحب شریعت نہیں۔ اس طرح حضرت آدمؑ کے مقام ومنصب پر فرقہ اسماعیلیہ وجماعتِ احمدیہ کے درمیان اتحاد نظر آتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

اسماعیلی فلسفہ میں متفقہ طور پر حضرت نوح علیہ السلام دورِ ستر کے نبی مستودع یعنی صاحبِ شریعت رسول کہے گئے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک بھی حضرت نوح علیہ السلام کا یہی مقام ومنصب ہے۔ ہمارا استدلال صحیح بخاری شریف کی اس روایت سے بھی ہے کہ:۔

فیأتون نوحًا فیقولون یا نوح انت اوّل الرسل الیٰ اھل الارض و سماك الله عبداً شكوراً۔ (کتاب بدء الخلق باب قول الله إنّا ارسلنا نوحًا الیٰ قومه)	پس وہ لوگ نوح کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح آپ اہل زمین کے لئے پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

البتہ اسماعیلیوں کی دینیات میں جیسے زوردار طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صاحبِ شریعت نبی کہا گیا ہے ہم انہیں حضرت نوح علیہ السلام کا خاتم الخلفاء مانتے ہیں اور ان کی شریعت کا متبع۔ ہم قرآن شریف کی اس آیت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:۔

وان من شیعته لابراهیم ۔۔۔ اور بیشک ابراہیم نوح کے اتباع میں ہیں۔

ہاں اس اختلاف کے باوجود اس جگہ ایک نظریہ ایسا بھی ہے جس پر دونوں متفق ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت ابراہیم ایک دورِ جدید کے بانی ہیں اور وہ پرانی روحانی شراب نئے مٹکے میں پیش کرنے آئے تھے۔

حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ اسماعیلی عقیدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد منصب امامت دو خاندانوں میں بٹ گیا۔ پہلا خاندان دعوت باطنی کا صدر بنا اور دوسرا دعوت ظاہری کا۔ تاریخ شریعت اسماعیلی اکابر کے اس قول کی ایک رنگ میں تصدیق کرتی ہے۔

اولاد اسحاق علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لئے منتخب کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دنیا کو کتاب و شریعت بھی اسی خاندان کے ذریعہ ملی۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ کے خاتم الخلفاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں صاف لکھا ہے کہ :-

"یہ بات ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں خلیفۃ اللہ ہونے کا منصب حضرت موسیٰ سے شروع ہوا اور ایک مدت دراز تک نوبت بہ نوبت انبیاء بنی اسرائیل میں رہ کر آخر چودہ سو برس کے پورے ہونے تک حضرت عیسیٰ بن مریم پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۷۳)

خاندان اسماعیلؑ لیکن خاندان اسماعیل علیہ السلام کو نبوت یا شریعت سے کوئی حصہ نہیں ملا یہاں تک کہ سید الکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ کیا اتنے عرصہ تک خاندان اسماعیل علیہ السلام ان نعمتوں سے محروم رہا یا کسی قسم کی سرفرازی انہیں بھی خدا کی طرف سے ملتی رہی؟ کیا اسی کو ہم مہذب اصطلاح میں "دعوت باطنی کی صدارت" کہہ سکتے ہیں؟

ابوطالب عموماً فلسفہ اسماعیلیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کو دعوت باطنی کا صدر کہا گیا ہے لیکن جماعت احمدیہ اس مسئلہ میں اسماعیلی فقیہہ قاضی نعمان بن محمد، مولانا موید شیرازی اور مولانا حمید الدین کرمانی کے قول کو ترجیح دیتی ہے۔ اسماعیلی کتب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کے درمیان خاندانی قرابت کے علاوہ ایک اور مقدس رشتہ ثابت کیا گیا ہے یعنی یہ کہ آپ چچا ہونے کے علاوہ ذوالکفل بھی تھے۔ حضرت عبد اللہ کی "دعوت ظاہری کی صدارت" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں کے ذریعہ ملی۔ لیکن کیا عالم واقعات میں یہ بات صحیح ثابت ہوتی ہے؟ میں اس کے متعلق اس جگہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے کوئی روحانی فیض نہیں حاصل ہوا بلکہ آپ کی استقامت و پامردی نے ان کو آپ کا طرفدار بنا دیا۔ آپ لکھتے ہیں :-

"اس الہامی عبارت سے ابوطالب کی ہمدردی و دلسوزی ظاہر ہے لیکن بکمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی پیچھے سے انوار نبوت و آثار استقامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو چالیس برس کا ہے بے کسی اور پریشانی اور یتیمی میں بسر کیا تھا۔ کسی خویش یا قریب نے اس زمانہ تنہائی میں کوئی حق خویشی اور قرابت کا

ادا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ روحانی پیشوا اپنی صغرسنی کی حالت میں لاوارث بچوں کی طرح بعض بیابان نشین اور خانہ بدوش عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور اسی بے کسی اور غریبی کی حالت میں اس سید الانام نے شیرخوارگی کے دن پورے کئے اور جب کچھ سن تمیز پہنچا تو یتیم اور بے کس بچوں کی طرح جن کا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا ان بیابان نشین لوگوں نے بکریاں چرانے کی خدمت اس مخدوم العالمین کے سپرد کی۔ اور اس تنگی کے دنوں میں بجز ادنیٰ قسم کے اناجوں یا بکریوں کے دودھ کے اور کوئی غذا نہ تھی۔ جب سن بلوغ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی وغیرہ کے لئے کسی چچا وغیرہ نے باوجود آنحضرت کے اول درجہ کے حسن و جمال کے کچھ فکر نہیں کی بلکہ پچیس برس کی عمر ہونے پر اتفاقی طور پر محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک مکہ کی رئیسہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے پسند کر کے آپ سے شادی کر لی۔ یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس جیسے موجود تھے اور بالخصوص ابوطالب رئیس مکہ اور قوم کے سردار بھی تھے اور دنیوی جاہ و حشمت و دولت و مقدرت بھی رکھتے تھے مگر باوجود ان لوگوں کی ایسی امیرانہ حالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ایام بڑی مصیبت اور فاقہ کشی اور بے سامانی سے گذرے یہاں تک کہ جنگلی لوگوں کی بکریاں تک چرانے کی نوبت پہنچی اور اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی کے آنسو جاری نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شباب پہنچنے کے وقت کسی چچا کو خیال تک نہیں آیا کہ آخر ہم بھی تو باپ ہی کی طرح ہیں شادی وغیرہ امور ضروریہ کے لئے کچھ فکر کریں حالانکہ ان کے گھر میں اور ان کے دوسرے اقارب میں بھی لڑکیاں تھیں۔ سو اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر سرد مہری ان لوگوں سے کیوں ظہور میں آئی۔ اس کا واقعی جواب یہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک لڑکا یتیم ہے جس کے ماں باپ مر چکے ہیں بے سامان ہے جس کے پاس کسی قسم کی جمعیت نہیں۔ نادار ہے جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ ایسے مصیبت زدہ کی ہمدردی سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اور اس کو اپنا داماد بنانا تو گویا اپنی لڑکی کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ مگر اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ ایک شہزادہ اور روحانی بادشاہوں کا سردار ہے جس کو دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی جائیں گی۔"

(ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۱۲۱)

جماعت احمدیہ ابوطالب کا مقام و منصب اسی روشنی میں دیکھتی ہے۔ اگر وہ واقعی دعوت باطنی کے صدق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل تو آپ کے ساتھ ابوطالب کا سلوک اس سے بہت مختلف ہونا چاہیئے تھا۔

اس کے برعکس تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کی ہمدردی و دلسوزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور انوارِ نبوت کا صدقہ تھی۔ ابوطالب میں غمگساری کا یہ جذبہ کسی داخلی تحریک کی بنا پر پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کی طبیعت آپ کی نیک دلی، پاک نفسی اور استقلال و استقامت دیکھ کر مرعوب ہو گئی۔

اسماعیلیوں کی امامت

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ کتب اسماعیلیہ میں مسئلۂ امامت ایک فلسفیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے لئے ایک خاص نسل اور چند قوانین ہر جگہ ملحوظ رکھے گئے ہیں اور شروع سے اخیر تک ایک ربط و تسلسل قائم کیا گیا ہے۔ ہر نبی کے ساتھ ایک مقیم، وصی، حجت اور دعوت کی حدود وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ یہ اصطلاحیں ایک مخصوص نوعیت کی ہیں اور ایک خاص فن یعنی فنِ امامت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اہلِ سنّت کا نظامِ خلافت

اہلِ سنت والجماعت کے ہاں کوئی ایسا مربوط و منظوم سلسلۂ امامت نہیں۔ نبوت کے متعلق تو ان کا اور جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کا انتخاب اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے :-

اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ — اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کس کو اپنی رسالت دے گا۔

نبوت کے بعد اہلِ سنت اور جماعت احمدیہ کے نزدیک مسئلۂ خلافت آتا ہے۔ دونوں کے نزدیک نبوت کے بعد امت کے لئے خلافت ہی موعود ہے۔ قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ نبوت کے بعد خلافت ہی کا ذکر آیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ سے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے :-

وعد اللّٰہ الّذین اٰمنوا منکم	اللہ نے مومنوں اور نیک اعمال کرنیوالوں
وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّہم	سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ
فی الارض کما استخلف الّذین	بنائے گا جس طرح ان سے پہلی امتوں کو خدا
من قبلکم۔ (النور)	نے خلیفہ بنایا

جماعت احمدیہ اور خلافت

اسی لئے اہلِ سنت والجماعت اور فرقہ احمدیہ دونوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نبوت کے بعد امت کا فریضہ ہے کہ وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم کرے۔ یہ خلافت کبھی انتخابی ہوتی ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کہ آپ کو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ آراء سے اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ اور کبھی یہ خلافت نامزدگی کے طور پر ملتی ہے جیسے حضرت عمرؓ کہ ان کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اور کبھی اس خلافت کا انتخاب رائے عامہ سے نہیں بلکہ بعض صحابہ کرامؓ کے فیصلہ سے ہوتا ہے جیسے خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کہ آپ کا

انتخاب اصحاب الرائے کی ایک مجلس نے کیا۔

مجلس مشاورت قرآنی حکم کے مطابق خلیفہ کے لئے ایک مجلس مشاورت کا ہونا بھی ضروری ہے جس سے وہ اہم امور میں مشورہ لیا کرے۔ خدا کا ارشاد ہے وشاورھم فی الامر۔ اور ان لوگوں سے حکومت میں مشورہ لو۔

اس آئین کے مطابق جو خلیفہ منتخب ہوتا ہے وہ نہ مطلق العنان فرمانروا ہوتا ہے نہ ایسی جمہوریت کا صدر جس کے سامنے ہی برائم پرورش پاتے ہیں۔ بلکہ وہ پابند قانون ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی حکومت کا دستور قرآن ہوتا ہے اور وہ صاحب اختیار ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ ایک مملکت کا مختار اعلیٰ ہوتا ہے اور اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ زمین کو برائیوں سے پاک کرے۔

خلافت کا یہ سہانا تصور جو اہل سنت والجماعت کے ہاں پایا جاتا ہے۔ آج عملی طور پر یہ خلافت جماعت احمدیہ کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

نظریۂ مقیم و وصی رہ گیا مقیم اور وصی کا تصور تو ہم اس پر بھی غور کرتے ہیں۔ مہدی برحق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے بعض اخبار کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے بعض ایسی باتیں کہی ہیں جو نظریۂ مقیم و وصی سے ملتے جلتے نظریہ کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔ اور وہ ہے ارہاص اور مجدد والا سلسلہ۔

ارہاص و مجدد آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودیوں کے اس نزاع کا بار بار اپنی تصانیف میں ذکر فرمایا ہے کہ بعثت عیسیٰ سے پہلے ایلیاہ نبی کو ان کی بعثت کی بشارت دینے کے لئے آنا چاہیئے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے اس دعویٰ کا یہ جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی میرا مبشر ہے اور تمہارے درمیان موجود ہے (متی ۱۱/۱۵) انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب یسوع مسیح نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بپتسمہ لیا تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے:-

"اس وقت یسوع گلیل سے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس اس سے بپتسمہ لینے آیا مگر یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا کہ اب تو ہونے ہی دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اس نے ہونے دیا اور یسوع بپتسمہ لیکر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا۔"

(متی ۳/۱۳)

سید احمد بریلوی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یوحنا نبی نے یسوع مسیح جیسے اولوالعزم نبی کو بپتسمہ دیا اور ان کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور یہ تصدیق ایسی کارگر ہے کہ آج تک یہ یسوع مسیح کی صداقت

کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے بھی یوحنا نبی کو یسوع مسیح کا مبشر تسلیم کیا ہے اور خود اپنے متعلق بھی لکھا ہے کہ غالباً سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے مبشر بن کر آئے تھے۔ آپ اپنی مایۂ ناز تصنیف تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں کہ:-

"کیا تعجب ہے کہ سید احمد بریلوی اس مسیح موعود کے لئے الیاسؑ کے رنگ میں آیا ہو"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۶ حاشیہ)

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو یوحنا نبی کا مثیل قرار دیا ہے۔ آپ نے اس موضوع کے ان زاویوں پر خاص زور دیا ہے کہ:-

۱- یوحنا نبی اسرائیلی تھے۔ یعنی حضرت یعقوب و موسیٰ علیہما السلام کی نسل سے تھے۔

۲- سید احمد بریلوی بھی سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے تھے۔

۳- یسوع مسیح سلسلۂ موسوی کے خاتم الخلفاء تھے مگر انہیں اسرائیلی نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ ان کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی اس لئے انہیں اسرائیل کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اس طرف نسبت ہوگی تو محض ماں کی طرف سے ہوگی۔

۴- اسی طرح سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:-

"ایسا ہی میں بھی محمدی سلسلے کے خلیفوں میں سے آخری خلیفہ ہوں۔ مگر باپ کی رو سے قریش میں سے نہیں ہوں۔ گو بعض دادیاں سادات میں سے ہونے کی وجہ سے قریش میں سے ہوں"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۵)

۵- یوحنا نبی سلسلۂ موسوی کے بارھویں خلیفہ تھے اور سید احمد بریلوی سلسلۂ محمدی کے بارھویں خلیفہ ہیں۔

اس سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح آپ کی بشارت و تصدیق کے لئے آئے تھے جس طرح یوحنا نبی یسوع مسیح کی تصدیق و بشارات کے لئے آئے۔ اس سلسلہ کو ہم دینی اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۲ و صفحہ ۱۹۶ حاشیہ)

تفسیر الیاسین

ہمارے موجودہ امام عالی مقام ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک مرتبہ درس قرآن میں وسلامٌ علیٰ اِلْیَاسِیْن کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ الیاسین سے مراد تین جلیل القدر ارہاص ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے اولوا العزم نبی کے ظہور کی خبر دینے آئے تھے یعنی ایلیاؑ، یوحنا اور سید احمد بریلویؒ۔ یہ درس آپ نے مسجد مبارک قادیان میں دیا تھا اور میں بھی شریک تھا۔

اس موضوع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک خطبہ بھی "الفضل" میں محفوظ ہے۔ اس

میں آپ فرماتے ہیں کہ :-

"آج ہی میں نے میر محمد اسحاق صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک روایت یاد ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بارہا یہ ذکر ہوتا تھا کہ آپ سے پہلے "ارہاص" کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد بریلوی کو بھیجا۔ اور یہ کہ مسیح اوّل اور مسیح موعود میں یہ بھی مشابہت ہے کہ جیسے حضرت مسیح کی خبر دینے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر دینے والے حضرت سید احمد بریلوی رح بھی شہید ہوئے"

(الفضل ۹ر ستمبر ۳۸ء)

اسی خطبہ میں حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب رض (مہر سنگھ) اور حافظ محمد ابراہیم صاحب رض کے ذریعے بھی ایسی روایات منقول ہیں۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب رض کی روایت میں مولانا اسماعیل شہید رح کو بھی آپ کا "ارہاص" کہا گیا ہے۔

اور ایک روایت حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ "ذکرِ حبیب" میں فرماتے ہیں کہ :-

"نومبر ۱۹۰۱ء۔ فرمایا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یوحنا نبی خدا تعالیٰ کی تبلیغ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اسی طرح ہم سے پہلے اس ملک پنجاب میں سید احمد صاحب توحید کا وعظ کرتے ہوئے سکھوں کے زمانے میں شہید ہوئے۔ یہ بھی ایک مماثلت تھی جو خدا نے پوری کر دی"

(ذکرِ حبیب صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۵)

مقیم اور ارہاص کے درمیان مناسبت

مقیم اور ارہاص کے درمیان مناسبت و یکسانیت کی تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقیم اس وجود کو کہتے ہیں جو نبی کو مقامِ نبوت پر کھڑا کرتا ہے اور ارہاص اس وجود کو کہتے ہیں جو ایک نبی کے مبعوث ہونے کی خبر دینے کے لئے آتا ہے۔ یہ بھی اپنی بشارت، تائید اور تصدیق سے نبی کو مقامِ نبوت پر کھڑا کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس اقامت کی نسبت اس کی طرف حقیقۃً نہیں ہوتی۔ درحقیقت مقامِ نبوت پر کھڑا کرنے والا خدا ہوتا ہے لیکن یہ اپنی تصدیق و بشارت سے مقصدِ نبوت کو تقویت پہنچاتا ہے اس لئے مجازاً اس کو بھی نبی کا مقیم کہہ سکتے ہیں۔

غرض مقیم اور ارہاص کی غایت ایک ہے۔ پہلا نظریہ اسماعیلیوں کا ہے اور دوسرا ہم احمدیوں کا۔

وصی

دوسرا نظریہ وصی کا ہے مگر وصی کی تعریف میں جس غلو سے کام لیا گیا ہے اس سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ البتہ ہم بھی ہر نبی کے لئے چند ایسے اصحاب اور دانشور ساتھیوں کی یقیناً ضرورت محسوس کرتے ہیں جو بلاواسطہ نبوت کے اسرار و غوامض سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہوں۔ یا یوں کہئے کہ ان کا مزاج "مزاجِ نبوت" کے ہم رنگ ہو اور وہ چراغِ نبوت سے فیض یاب ہونے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں۔ ایسے

سارے وجود نبی کے محرم راز ہوتے ہیں اور نبی عالم اسباب میں انہیں کے تعاون، جدوجہد اور قربانیوں سے کامیاب ہوتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ممتاز صحابہ کرام ہیں مثلاً خلفاء اربعہ یا "عشرہ مبشرہ" اُن کی تعریف و منقبت میں جو باتیں آتی ہیں وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں اور پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے کہ آنحوان میں سے کس کو دوسرے پر ترجیح دے۔

مجددین امت پھر نبی کی وفات کے بعد بھی اسلام کی تجدید و احیاء کے لئے ہمیشہ ایسے مقدس وجودوں کی بعثت ضروری ہے جو اپنے مزاج اور صفات میں نبی کے ہم رنگ ہوں اور علم دین و امامت میں بلا فصل نبی متبوع کے شاگرد ہوں جیسے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے فرمایا کہ ؎

دگر استاد را نامے ندانم ٭ کہ خواندم در دبستان محمدؐ

اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے اصطلاح شریعت میں ان وجودوں کو محدث، مجدد اور اُمتی نبی کہتے ہیں۔ عقیدہ اہل سنت الجماعت کے مطابق ایسے روحانی بزرگوں کی بعثت کا سلسلہ امت محمدیہ میں جاری و ساری رہنا چاہیئے۔ اس عقیدے کی بنیاد آیات قرآنیہ کے علاوہ اس حدیث شریف پر بھی ہے:۔

انّ اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامّۃ	اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لئے ہر صدی کے
علیٰ رأس کلّ مائۃ سنۃ من یجدّد	آغاز میں ایک مجدد پیدا کرے گا جو اس کیلئے
لھا دینھا (ابوداؤد)	تجدید دین کرے گا۔

ہمارے عقیدے کے مطابق یہ مجدد براہ راست چراغ نبوت سے فیض یاب ہوتا ہے اور نبوت کے ان اسرار سے واقف ہوتا ہے جن سے اہل زمانہ بیگانہ ہوتے ہیں۔ وصی کی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ بلا فصل میراث انبیاء کا وارث ہوتا ہے۔

مرتبۂ وصایت اس جگہ یہ واضح ہو کہ جماعت احمدیہ میں کوئی "مستقل نظریۂ وصایت" نہیں پایا جاتا مگر "تاریخ اُمت" میں جس طرح واقعات کا ظہور ہوا ہے انہیں دیکھتے ہم "مجددین امت" کا منصب "منصب وصایت" قرار دے سکتے ہیں۔ چونکہ اسماعیلی علماء نے وصی کی جو تعریف کی ہے وہ مجدد کی تعریف سے ملتی جلتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم وصی کا تعارف مجدد کے لفظ سے کرائیں تو زیادہ برمحل ہوگا اور ہم یہ کہہ سکیں گے کہ در اصل نبوت کے بعد ایک سلسلہ "ظلّ نبوت" کا قائم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا جو اعلیٰ وجود ہوتا ہے وہ "مجدد" ہوتا ہے٭۔ اسماعیلی دینیات میں ایسے اکابر کے مختلف مراتب بیان کئے گئے ہیں جیسے داعی، ماذون اور مکاسر وغیرہ۔ مگر وہ منصب جو ان تمام کمالات پر حاوی ہو۔ اس کو اسماعیلی اصطلاح میں وصایت کہا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کے نزدیک جو منصب ہے وہ "منصب تجدید و احیاء دین" کا ہے جس پر

٭ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونے پر امتی نبی کہلاتا ہے۔

فائز ہونے والے کو "مقیم مجدد" کہتے ہیں۔ اسی طرح "وصی" اور "مجدد" کی تعریف میں جو قربت ہے وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ دونوں فرقے اس باب میں بھی ملتے جلتے نظریے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ نظریۂ وصایت ایک محدود نظریہ ہے اور نظریۂ مجددیت ایک عالمگیر نظریہ ہے۔

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام جو اس عہد میں ناطق سابع کے مقام پر فائز ہیں ہم آپ کو بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اسماعیلی کتب میں وصی کے جو کمالات بیان کئے گئے ہیں وہ سب آپ میں موجود تھے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

واللہ انی قد تبعت محمدا ❊ وفی کل آنٍ من سناہ انور

بخدا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ اور ہر گھڑی میں اُن کے چراغ سے منور ہو رہا ہوں

ناطق سادس و ناطق سابع کا ظہور

جماعت احمدیہ کے نقطۂ نظر سے اسماعیلیوں کے فلسفۂ امامت کے جو ابواب سب سے اہم ہیں وہ چھٹے اور ساتویں ناطقوں کا ظہور ہے۔ انہیں ابواب کے ماتحت عمر دنیا، تعطیل شریعت اور ظہور مہدی کی بحث آتی ہے۔

میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ اسماعیلی اکابر زمانے کو تین دوروں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

۱- دورِ کشف

۲- دورِ فترت

۳- دورِ ستر

ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دورِ ستر یا دورِ تقیہ ہے۔ اس دور کی عمر سات ہزار سال ہوتی ہے۔ اس کے پہلے امام حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد اور پانچ ناطق انبیاء آئے۔ پھر ان کا ایک مسلّم قاعدہ یہ بھی ہے کہ ہر ناطق پہلے ناطقوں کی شریعت کا ناسخ ہوتا ہے۔ نوحؑ شریعتِ آدمؑ کے ناسخ تھے۔ ابراہیمؑ شریعتِ نوحؑ کے۔ موسیٰؑ شریعتِ ابراہیمؑ کے۔ عیسیٰؑ شریعتِ موسیٰؑ کے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شریعتِ عیسےٰ کے۔ اور اسی طرح ناطق سابع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ناسخ ہوں گے۔

اسماعیلی لوگ اپنے کانسٹی ٹیوشن یا دستور کے مطابق کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق سادس یعنی چھٹے ناطق رسول ہیں اور آپ کا ظہور دورِ ستر کے ہفت ہزاری دور کے اخیر میں ہوا۔

جماعت احمدیہ کا نقطۂ نظر

یہ اسماعیلیوں کا نظریہ ہے۔ اب ہم اس موضوع پر جماعت احمدیہ کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر مہدی برحق سیدنا حضرت مرزا غلام احمد

علیہ السلام نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔

عمرِ دنیا آپؑ نے بھی اس حدیث کی صحت تسلیم کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے بعد عمرِ دنیا سات ہزار سال ہے۔ مگر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہزار ہفتم کے اخیر میں نہیں بلکہ ہزار پنجم کے اخیر میں مانی ہے۔ میں اس جگہ آپ کی تصانیف ازالہ اوہام و تحفہ گولڑویہ سے اس بحث کے چند خاص پہلوؤں کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ آپ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ابوالنوع حضرت آدم صفی اللہ کی پیدائش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ۴۷۳۹ برس بحساب قمری اور ۴۵۹۸ برس بحساب شمسی گذرے تھے۔ (تحفہ گولڑویہ صـ۱۵۱)

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ سنِ پیدائش سورۃ العصر کے اعداد سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ (ازالہ اوہام صـ ۔۔)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہزار پنجم کے اخیر میں ہوئی اس لئے کبھی اس پر ہزار ششم کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن درحقیقت آپ کی بعثت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۴۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ستارہ مریخ کے نیچے ہے اور مریخ کی تاثیر میں جلالی و ہیبت پائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کا ظہور بھی جلالی کہلاتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صـ۱۵۶)

۵۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی پیدائش ہزار ہفتم یعنی ساتویں ہزار کے آغاز سے گیارہ برس پہلے ہوئی۔

۶۔ ہزار ششم کا تعلق ستارہ مشتری سے ہے اور اس ستارے کی تاثیر عقل و دانش اور صلح و امن ہے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی پیدائش اسی ستارے کے دور میں ہوئی اس لئے آپ کی بعثت میں جمالی رنگ پایا جاتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صـ۱۵۶-۱۵۷ حاشیہ)

۷۔ **قیامتِ صغریٰ** ہزار ہفتم یعنی ساتویں ہزار کے بعد قیامت مقدر ہے۔ مگر قیامت بھی کئی قسم پر منقسم ہے اور ممکن ہے کہ سات ہزار سال کے بعد کوئی قیامتِ صغریٰ ہو جس سے دنیا کی ایک بڑی تبدیلی مراد ہو نہ قیامتِ کبریٰ۔ (تحفہ گولڑویہ صـ۱۵۵ حاشیہ)

یہ ہے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی تحقیقات کا خلاصہ تفصیل کے لئے ازالہ اوہام اور تحفہ گولڑویہ کے متعلقہ مقامات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ان تحقیقات پر غور کرنے کے بعد ان مقاماتِ اتصال و انفصال کا علم ہو جاتا ہے جہاں ان دونوں فریقوں کے عقیدے ملتے اور پھر الگ الگ ہو جاتے ہیں۔

ناطق سابع کے ظہور کا زمانہ

متقدمین میں کچھ ایسے اسماعیلی بزرگ بھی گذرے ہیں جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوتے

محمد بن اسماعیل کو ناطق سابع کہتے تھے۔ جیسے امام معز۔ مگر اب اس فرقہ کا وجود نہیں رہا۔ اب متفقہ طور پر سارے اسماعیلی علماء ناطق سابع کے ظہور کے منتظر ہیں۔

محمد بن اسماعیل کا مقام

میں اس جگہ اپنے نقطۂ نظر سے حضرت امام محمد بن اسماعیل کا منصب بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ وہ امام مہدی یا ناطق سابع نہیں تھے جن کے ظہور کا آج اسماعیلی فرقوں میں بھی انتظار ہو رہا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ خدا کے ان پاکباز اور ملہم بندوں میں سے تھے جن میں مہدویت کے بعض خواص پائے جاتے تھے۔

مظاہر مہدی کامل

اس مسئلہ میں جماعت احمدیہ یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ ایک مہدی کامل جن کے ظہور کی بشارت احادیث میں آئی ہے ان کے ظہور سے پہلے اور بھی بہت سے انسان جزئی طور پر مقام مہدویت پر فائز ہوتے رہے ہیں جیسے سید محمد جونپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ اسی طرح جزئی طور پر چند صفات مہدویت کا ظہور حضرت امام محمد بن اسماعیلؒ کی ذات ستودہ صفات میں بھی ہوا ہوگا۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے تو فرمایا ہے کہ :-

"امت محمدیہ میں کئی کروڑ ایسے بندے ہوں گے جن کو الہام ہوتا ہوگا" (ضرورۃ الامام صلا)

اس ارشاد کی روشنی میں ہم حضرت محمد بن اسماعیلؒ کو بھی خدا کے ملہم بندوں میں شمار کر سکتے ہیں لیکن انہیں ناطق سابع قرار نہیں دیتے۔ ہم تو اسماعیلی کلیہ کے مطابق ناطق سابع کو چودھویں صدی ہجری یا دَورِ ستر کے ہفت ہزاری دَور میں ڈھونڈتے ہیں۔ جہاں ہم ایک شخص کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ :-

"اس صدی (چودھویں صدی) کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کے لئے آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ تا وہ ایمان جو زمین پر سے اُٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کروں۔ اور خدا سے قوت پا کر اس کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو صلاح اور تقویٰ اور راستبازی کی طرف کھینچوں اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیوں کو دُور کر دوں" (تذکرۃ الشہادتین صا از سید نا مرزا غلام احمد علیہ السلام)

ناطق سابع اور شریعت جدید

البتہ اس جگہ مجھ سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ناطق سابع ہیں تو انہیں اور ناطقوں کی طرح صاحب شریعت نبی ہونا چاہیئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسماعیلی علماء نے جن جن انبیاء کو امام مستودع یعنی صاحب شریعت نبی قرار دیا ہے ان میں حضرت آدم، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نام بھی لئے ہیں۔ حالانکہ ان انبیاء کا

صاحب شریعت ہونا ثابت نہیں۔ یہ نبی اپنے اپنے سلسلہ کے خاتم الخلفاء ضرور تھے۔ مگر صاحب شریعت نہیں تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق خدا نے فرمایا کہ وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيمَ کہ وہ نوحؑ کے متبعین سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی کسی طرح صاحب شریعت نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ان کی کتاب شریعت تورات تھی۔ جس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ انجیل میں ابھی تک ان کا یہ قول موجود ہے کہ:۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" (متی ۵)

صحفِ انبیاء

اس جگہ میں یہ واضح کر دوں کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں اور حضرت عیسےٰؑ کی انجیل کا جو ذکر آتا ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے اس لئے کہ یہ وہ صحیفے ہیں جو ہر نبی کو ملتے ہیں۔ ان میں کچھ اخبارِ غیبیہ، کچھ بشارات اور کچھ اخلاقی باتیں ہوتی ہیں۔ ان میں چند اوامر و نواہی بھی ہوتی ہیں مگر وہ مستقل بالذات نہیں ہوتیں بلکہ اس شریعت کی تائید و تصدیق میں ہوتی ہیں۔ جن کی تجدید و احیاء کے لئے وہ نبی مبعوث ہوتا ہے۔

مثیلِ مسیح

جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو عیسےٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیتی ہے اور آپ کو انہی کی طرح ایک رسول ناطق اور غیر تشریعی نبی مانتی ہے۔ چنانچہ احمدیہ ادب میں آپ مسیح موعود ہی کے نام سے متعارف ہیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے نزدیک آپ کا وہی مقام و منصب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ خدا نے آپ کو بھی متعدد صحیفے عطا فرمائے جو اخبارِ غیبیہ، الہامات، رؤیا و کشوف، بشارات وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں اور جن کے الہامات و بشارات کا ایک مجموعہ "تذکرہ" کے نام سے مرتب ہے۔

نبی تشریعی قرآن کی نظر میں

اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید کی نظروں میں صاحب شریعت انبیاء کا ایک خاص تصور ہے۔ یعنی ایسا نبی جو جدید شریعت لے کر آئے اور اپنی زندگی میں ہی اس کا نفاذ بھی کر دے۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلوات اللہ علیہم۔ ان تینوں جلیل القدر پیغمبروں کے حالات ایک سے ہیں۔ یعنی خدا کی قہری تجلیوں سے دشمنوں پر غلبہ پانا اور پھر اپنی زندگی میں شریعتِ الٰہیہ کا نفاذ کر دینا۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اگر ان تینوں انبیاء کے حالات اس کے برعکس ہوتے تو نزولِ شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا۔

غیر تشریعی انبیاء

اب ان کے مقابل پر ہم حضرت آدمؑ، ابراہیمؑ، عیسےٰؑ اور مرزا غلام احمد علیہ السلام کی زندگی دیکھتے ہیں تو یہاں بھی یکسانیت نظر آتی ہے۔ چاروں دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیت اٹھاتے ہیں مگر زندگی میں دشمنوں پر ظاہری فتح نہیں پاتے، نہ سیاسی طور پر احکامِ شریعت کا نفاذ کرتے ہیں بلکہ جاتے

ہوئے یہ کہہ جاتے ہیں کہ :-

"مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں ۔سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اسے روک سکے ۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۰)

خلاصۂ کلام

غرض تاریخ و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ناطق کا صاحبِ شریعت ہونا ضروری نہیں بلکہ امام مستقر، نبی مستودع اور ان کے قائم الخلفاء سبھی ناطق کہے جا سکتے ہیں ۔اسی اصول کے مطابق ہم سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو ناطق سابع، قائم القیامہ اور نبی غیر تشریعی کہتے ہیں جن کے ظہور کی خبر تمام ائمۂ فاطمیین دیتے چلے آئے ہیں ۔

مَیں نے جو کچھ عرض کیا اس سے نبی تشریعی وغیر تشریعی کا فرق واضح ہو جاتا ہے ۔لیکن جو یہ فرق ملحوظ نہیں رکھتے اور ہر ناطق کو صاحبِ شریعت کہہ رہے ہیں ان کے نزدیک شریعت اور صاحبِ شریعت کا تصور بھی کچھ اور ہو گا ۔جیسے بعض کوتاہ فہم مولویوں نے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے الہامات میں چند قرآنی اوامر و نواہی دیکھ کر یہ الزام لگا دیا کہ آپ کا دعویٰ نبوتِ تشریعی کا دعویٰ ہے ۔جس کی آپ نے منجملہ اور کتابوں کے اربعین میں بھی تردید کی اور اس تصورِ شریعت کو ایک ناقص اور نامکمل تصور قرار دیا ۔

حاصل کلام یہ کہ جماعتِ احمدیہ اور فرقۂ اسماعیلیہ کے درمیان ناطق سابع کے تصور پر تو اتفاق ہے مگر اس کی تعریف اور تعیین میں اختلاف ہے ۔

قائم القیامہ کا تصور

لیکن ایک نظریہ جو واضح ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ "قائم القیامہ" کہلاتا ہے ۔اسماعیلی عقیدے کے مطابق " دَورِ کشف " کا آغاز کرنے والا "قائم القیامہ" کہلاتا ہے ۔ان کا عقیدہ ہے کہ دُنیا کے ہفت ہزاری دَور کی ابتداء میں ایک ناطق رسول آئے گا جو ناطق سابع ہو گا ۔ان کے ظہور کے بعد دُنیا " دَورِ ستر " سے نکل کر " دَورِ کشف " میں داخل ہو جائے گی جس کا دوسرا نام دَورِ مشیت بھی ہے ۔ان کے نزدیک اس انقلاب کو قیامت کہتے ہیں اور جن کے ذریعہ یہ انقلاب آتا ہے ان کو قائم القیامہ ۔

جب ہم قیامت کے اس تصور پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دَورِ کشف کو قیامت کہتے ہوئے جو مفہوم پیشِ نظر رکھا گیا ہے وہ ایسا ہے جو ایک حد تک قیامت کی تعریف پر بھی صادق آتا ہے ۔لہٰذا اس انقلاب کو قیامت کہنا بے معنی نہیں ۔

قیامت کی تعریف یہ ہے کہ اُس دن سبھی برہنہ کھڑے ہوں گے ۔جنت، دوزخ، صراط، میزان حتّٰی کہ خدا کا تخت بھی بندوں کے سامنے ہو گا ۔اس دن سبھی کے اعمال نامے ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور پوشیدہ اعمال ظاہر ہو جائیں گے ۔اس دن کوئی ستر ہو گا نہ پناہ گاہ ۔یعنی ظاہری اور معنوی اعتبار سے وہ روز کشف ہو گا ۔قرآن پاک

نے بھی اس روز کو دورِ کشف کہا ہے :-

یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون (سورۃ قلم)	اس دن کہ پنڈلی کھولی جائے گی اور سجدے کی طرف بلائے جائیں گے مگر وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

دورِ مشیت اسماعیلی اصطلاح میں دورِ کشف کو "دورِ مشیت" بھی کہا گیا ہے یعنی ان کے نزدیک قیامت کا ایک نام "دورِ مشیت" بھی ہے۔ چونکہ اس دن کوئی شخص مشیتِ الٰہی کے خلاف سانس لینے کی بھی جرأت نہیں کر سکے گا۔

اسماعیلیوں کے نزدیک اس "دورِ کشف" کا آنا ضروری ہے اسی لئے وہ ناطق سابع کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کی آمد قیامت کی آمد ہے اور انہیں کے ظہور سے دورِ کشف کا آغاز ہوگا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک "قائم القیامہ" کا تصور اہل سنت والجماعت کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت اسرافیل کو ہم دوسرے الفاظ میں "قائم القیامہ" کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر یہیں سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ عالمِ واقعات میں ہر وہ شخص "قائم القیامہ" کہلائے گا جو دنیا میں کسی عظیم انقلاب کا موجب ہوگا۔ اور "قائم القیامہ" کی ترکیب بھی بتاتی ہے کہ موجبِ انقلاب کو قائم القیامہ کہا گیا ہے۔

اس قاعدے کے مطابق سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بھی "قائم القیامہ" ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے ذریعہ دنیا میں ایک عظیم روحانی انقلاب کی داغ بیل ڈالی گئی ہے۔

قائم القیامہ کی اہمیت فلسفۂ اسماعیلیت میں قائم القیامہ کے تصور پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک یہی "دورِ کشف" کا بانی ہوتا ہے۔ اس تصور کے قائم کرنے میں فساد سے اصلاح، تخریب سے تعمیر اور ظلمت سے نور کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے اس لئے ہم اس کو تعمیری تصور کہتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک بھی مہدیٔ مسعود کے کارناموں کا جو تصور ہے وہ "تعمیری تصور" ہے۔ اسی تعمیری تصور کو ہم روحانی انقلاب کی آمد آمد کہتے ہیں۔

اقسامِ قیامت لیکن اب ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے سامنے قیامت اور قائم القیامہ کا کیا تصور تھا؟ تو واضح ہو کہ آپ کے قول کے مطابق قیامت کے دو اقسام ہیں۔ قیامت صغریٰ و قیامت کبریٰ۔ قیامت کبریٰ اپنے وقت پر ضرور آئے گی۔ قیامت صغریٰ کے متعلق آپ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ہزار ششم کے بعد جس قیامت کے آنے کی خبر دی گئی ہے ممکن ہے کہ وہ قیامت صغریٰ ہو جس سے مراد ایک عظیم الشان تبدیلی ہے۔ جیسے دورِ ستر کے بعد دورِ کشف کا آجانا وغیرہ۔

اسماعیلی اکابر یقینی طور پر اس قیامت کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا یہ قول درست ہو۔ اس صورت میں بھی سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اور اسماعیلی اکابر کے تصورِ قیامت میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اب رہ گیا قائم القیامہ کا تصور، تو سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے نزدیک ہر نبی کی بعثت ایک قیامت ہے۔ آپ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی ایک قیامت قرار دیا ہے۔ یعنی آپ کے نزدیک بھی ہر نبی قائم القیامہ یعنی سببِ انقلاب بن کر پیدا ہوتا ہے۔

اس نظریے کے بعد جب ہم سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے مقام و منصب پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ دورِ ستر کے آخری امام ہیں اور دورِ کشف کی تمہید باندھنے کے لئے نزول فرما ہوئے ہیں۔ سلسلۂ اسماعیلیہ میں ناطق سابع اور "قائم القیامہ" کا جو تصور پایا جاتا ہے وہ آپ کے ظہور سے پورا ہو گیا۔

ناطقوں کا دورِ ظہور

یہ ظاہر ہے کہ اسماعیلی فلسفہ میں امامت کی کڑی سے کڑی ملائی جاتی ہے۔ وہ اپنے تُلے قاعدے کے مطابق بہت سے ناطقوں کے زمانۂ ظہور کی تعیین کرتے ہیں مگر اس کے باوجود بعض دفعہ ان کی تشریح کے مطابق ظہور میں نہیں آتا۔ ان کی تشریح کے مطابق ناطق سادس کے ایک ہزار سال بعد ناطق سابع کو مبعوث ہونا چاہیئے مگر صورتِ حال یہ ہے کہ ناطق سادس کی بعثت کو آج چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور ابھی تک ناطق سابع کا ظہور نہیں ہوا۔ حالانکہ اب تک اس ناطق سابع یا قائم القیامہ کو ظاہر ہو کر دورِ کشف کی تمہید شروع کر دینی چاہیئے تھی۔ اس لئے اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اور آپ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے زمانۂ ظہور کی جس طرح تعیین کی ہے وہ بھی اس جگہ درج کی جائے تا یہ معلوم ہو کہ دونوں اقوال میں کون سا قول واقعات کے مطابق ہے۔

تشریعی انبیاء کا دور

ان دونوں احمدی اکابر کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ شریعت نبی کے بعد چودھویں صدی میں ہر سلسلہ کا ایک خاتم الخلفاء آتا ہے۔ پھر چند صدیوں تک دورِ فترت رہتا ہے۔ اس کے بعد پھر ایک تشریعی نبی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ آپ کی اس تحقیق کی روشنی میں جب ہم تاریخ انبیاء کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر دور کی مدت واقعات پر اس طرح منطبق ہوتی چلی جاتی ہے:-

۱- دورِ ستر کے خاتم الخلفاء حضرت آدمؑ کا ظہور۔

۲- حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام تک لگ بھگ چھ سو سال کا دورِ نبوت و فترت۔

۳- حضرت نوحؑ کے بعد چودھویں صدی کے آغاز میں اس سلسلہ کے خاتم الخلفاء حضرت ابراہیمؑ کا ظہور۔

۴- حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ تک چھ سو سال کا دورِ نبوت و فترت۔
۵- حضرت موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی کے آغاز میں اس سلسلہ کے خاتم الخلفاء حضرت عیسیٰؑ کا ظہور۔
۶- حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ سو سال کا دورِ نبوت و فترت
۷- حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی کے آغاز میں اس سلسلہ کے خاتم الخلفاء حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور۔ پھر کچھ صدیوں کے بعد ایک مسیح جلالی کی بعثت اور دنیا کا خاتمہ۔

مَیں نے مہدیٔ برحق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی بہت سی تحریروں پر غور کر کے صاحب شریعت انبیاء کے ظہور اور پھر دَورِ نبوت و فترت کی یہ مدت مقرر کی ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے لے کر مسیح موعود یا مہدی مسعودؑ تک کے دَورِ ظہور پر تو آپؑ نے خود اپنی اکثر تصانیف میں روشنی ڈالی ہے البتہ مسیح جلالی یا مسیح کے تیسرے نزول کے متعلق آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں بڑی لطیف بحث کی ہے۔
(دیکھئے آئینہ کمالاتِ اسلام۔ حصہ اردو ص۳۴۶)

پھر حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے دَور پر ہمارے امام عالی مقام نے اپنی "تفسیر کبیر" میں سورہ قریش کی تفسیر کرتے ہوئے روشنی ڈالی ہے (دیکھئے تفسیر کبیر جلد ششم ص۲۲۲)

ناطق سابع کا ظہور

مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ اکابر احمدیت کے نزدیک بھی ناطق سادس کے بعد ایک ناطق سابع کا ظہور ہونا چاہیئے۔ گویا اس مسئلہ میں دونوں متفق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسماعیلی اکابر ناطق سابع کے ظہور کا جو زمانہ متعیّن کرتے ہیں وہ زمانہ کبھی کا آچکا یعنی دسویں صدی ہجری کا۔ ان کے عقیدے کے مطابق ناطق سادس کا دَور ہزار سالہ ہے۔ گیارھویں صدی نبوی میں ناطق سابع کا ظہور ہونا چاہیئے۔ وہ زمانہ آیا اور گیا مگر ان کے نزدیک ابھی تک ناطق سابع کا ظہور نہیں ہوا۔

لیکن جماعت احمدیہ ناطق سادس کے بعد ناطق سابع کے ظہور کا جو زمانہ متعیّن کرتی ہے یعنی چودھویں صدی ہجری کا آغاز ٹھیک اسی زمانے میں ایک شخص ناطق سابع یعنی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی بشارات، پیشگوئیوں اور قرآن مجید و احادیث سے اس دعویٰ کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کر دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ آپ کی ماموریت و نبوت کی صداقت اتنی آشکارا ہو جاتی ہے کہ زمین و آسمان بھی آپ کی سچائی کی شہادت دینے لگتے ہیں۔ آپ اپنے ان اشعار میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ ؎

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح ٭ نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار
آسمان بارد نشاں الوقت میگوید زمیں ٭ ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

یہ ایک ایسا فرق ہے جس کا تعلق صرف نظریات سے نہیں بلکہ واقعات سے ہے۔ نظریات کی تردید کی جا سکتی ہے لیکن

ظاہر شدہ واقعہ کی کیسے تردید کی جائے گی؟

موعود اقوام عالم

پھر اس جگہ ایک اور حقیقت بھی ملحوظ رکھنے کے لائق ہے۔ وہ یہ کہ اسماعیلیوں کے علاوہ اہل سنت والجماعت کے اکابر صوفیاء نے بھی اس عہد میں حضرت امام مہدی یا ناطق سابع کی جستجو کی تاکید کی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور عیسائیوں کو بھی اس عہد میں ایک ربانی رہنما کے ظہور کا انتظار ہے۔ غرض یہی وقت ہے جب سارے قافلے والے ایک میر کارواں کی تلاش کر رہے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اگر تقدیر الٰہی میں واقعی ایک ناطق سابع یا امام مہدی کی بعثت مقدر ہے تو وہ اسی دور میں ظاہر ہو۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا یہ قول اپنے اندر کتنی جامعیت رکھتا ہے کہ:۔

—— میں مسلمانوں کے لئے مہدی، عیسائیوں کے لئے مسیح اور ہندوؤں کے لئے کرشن بن کر آیا ہوں ——

یہی آپ کے دعاوی تھے۔ زمانے کی کامل نظروں نے آپ کو پہچانا اور لوح محفوظ کی یہ تحریر پڑھی۔

تلاش خضر

لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن پر تلاش خضر کا قصہ صادق آتا ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کے آگے بڑھ گئے، اور خضر کو نہ پایا۔ وہ خضر جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دریائی مسافروں کا رہنما ہے وہ ان کی رہنمائی نہ کر سکا۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مبشر خضر کو خضر سمجھ کر اصل خضر کی تلاش چھوڑ دی۔ اس لئے میں اس جگہ بہ بانگِ دہل اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ وہ خضر جن کی اہل سنت کو تلاش ہے اور وہ قائم القیامہ جن کے ظہور کی سلسلۂ اسماعیلیہ میں بشارت دی گئی ہے وہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ہیں۔

قائم القیامہ ہونے کا ثبوت

آپ کے قائم القیامہ ہونے کے ثبوت پر ہم اس اٹھی زمانے کو پیش کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا نے علمی و صنعتی میدان میں ترقی کر کے جو روپ اختیار کر لیا ہے یہ روپ گزرے ہوئے زمانے سے قطعاً مختلف ہے کسی زمانے کے آئینے میں دنیا کا یہ روپ نظر نہیں آتا جو آج نظر آ رہا ہے۔ اس لئے اگر ہم اس زمانے کو ایک قیامت سے تعبیر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔

ہم فرقہ اسماعیلیہ کے اس خیال کی بہت قدر کرتے ہیں کہ اس عہد میں ایک قائم القیامہ کا ظہور ہونا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک وہ ظہور ہوا اور وہ ہے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا ناطق سابع کے منصب پر فائز ہونا۔ یہ ظاہر ہے کہ زمانہ اس وقت ایک نئے روحانی رہنما کا محتاج ہے اس لئے کہ پرانے انسانی نظریات جن پر اسلام کے بہت سے معاملات کی بنیاد سمجھی گئی ہے وہ غلط ثابت ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ نئے نظریات سے رہے ہیں۔ اس لئے

ظاہر ہے کہ اگر یہ زمانہ ایک ثانی مصلح و ہادی سے خالی ہوتا تو شریعتِ الٰہیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا۔

مسئلۂ شریعت

اب رہ گیا یہ سوال کہ اس دورِ قیامت میں اس قائم القیامہ نے ہمارے سامنے کوئی نئی شریعت پیش کی؟ یا دنیا کو شرائع سے نجات دلا دی؟

فرقہ اسماعیلیہ کے بہت سے اکابر کا یہ خیال ضرور ہے کہ ناطقِ سابع یا قائم القیامہ جب آئیں گے تو اہلِ زمانہ شریعت کی قیود سے آزاد ہو جائیں گے۔ عموماً متقدمین کا یہی خیال تھا۔

لیکن اس سلسلہ کے ایک زبردست بزرگ مولانا حمید الدین کرمانی نے جن کا منصب باب الابواب کا ہے اور جو منصب اسماعیلیوں کے علمِ حقیقت میں عقلِ رابع کے مقابل ہے انہوں نے اپنی تصنیف کتاب الریاض میں متقدمین کے اس خیال کی بڑے زور دار الفاظ میں تردید کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ناطقِ سابع کے ظہور کے بعد بھی ہرگز مطلقاً شریعت معطل نہیں ہو گی۔ بلکہ ان کے ظہور کے بعد بھی زمانے میں شریعت نافذ رہے گی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ قائم القیامہ شریعتِ محمدی کو معطل ہی کر دیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ اسے معطل کرنے کی بجائے اسی شریعت کا نفاذ کریں اور ان کی بعثت کا مقصد اسی شریعت کی تجدید و احیاء ہو۔

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی بعثت نے مولانا حمید الدین کرمانی کے اس قول کی تائید کر دی۔ کہ قائم القیامہ شریعتِ محمدیہ کی تجدید و احیاء کے لئے بھی مبعوث ہو سکتے ہیں۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے بار بار اس نکتہ پر زور دیا ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد شریعتِ محمدیہ کی تجدید و احیاء اور دینِ اسلام کا نفاذ ہے۔ آپ کا خدائے ذو الجلال کے اس قول پر پختہ ایمان تھا کہ :۔

هو الظاهر والباطن۔   وہی ظاہر اور باطن ہے۔

اسی لئے آپ شریعتِ قرآنیہ کے ان دونوں پہلوؤں کو ہمیشہ کے لئے قائم و ثابت مانتے تھے۔ آپ کے نزدیک کسی عہد میں شریعتِ محمدیہ کا نہ ظاہر معطل ہو سکتا ہے نہ باطن بلکہ خدا کے فرمان :۔

كل يوم هو فى شان۔   ہر دن اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

کے مطابق ہمیشہ خدا کی نئی تجلیات اور قرآن مجید و شریعتِ اسلامیہ کے نئے اسرار و معانی کا انکشاف ہوتا رہے گا۔ ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر اسی طرح جنم لیتا رہے گا جس طرح درخت سے بیج اور بیج سے درخت۔ صفاتِ الٰہیہ اور شریعتِ محمدیہ میں یہ دَور و تسلسل جاری و ساری ہے۔ اس لئے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق کسی ایسے زمانے کا وجود تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب ظواہرِ شریعت معطل ہو جائیں اور زمانہ میں باطن ہی باطن رہ جائے۔ نہ اس مقصد کے لئے کسی روحانی معلم کا ظہور ہو سکتا ہے۔

اسی لئے آپ نے اپنی جماعت کے سامنے عقائد و تعلیمات کا جو مقدس صحیفہ پیش کیا وہ نظریۂ تعطیلِ شریعت

کی بڑے زور دار طور پر تردید کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

عقائدِ احمدیہ "ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمالِ دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ انسان راہِ راست کو اختیار کر کے خدا تعالےٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتبِ سماوی ہے۔ ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام من جانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکامِ فرآنی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیلی یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور ملحد و کافر ہے۔

اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ راہِ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسل کے حاصل ہو سکیں۔ کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت و قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۸-۱۳۹)

آپ اپنے یہی عقائد اپنی ایک دوسری اہم تصنیف "ایام الصلح" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کے کلام یعنی قرآن مجید کو پنجہ مارنے کا حکم ہے ہم اس کو پنجہ مارتے ہیں اور حضرت فاروق کی طرح ہماری زبان پر حسبنا کتاب اللہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب قرآن اور حدیث میں ہو قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں ......

اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق، اور حشر اجساد حق اور روزِ حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ

سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام سے ایک ذرہ کم کرے یا ترک فرائض یا اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لائیں۔ اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔" (ایام الصلح ص۸۶-۸۷)

واضح ہو کہ ان عقائد کے بیان کرنے میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا شروع سے اخیر تک ایک ہی رنگ رہا ہے بلکہ جوں جوں آپ کا عرفان بڑھتا جاتا ہے آپ اپنے یہ عقائد زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

کشتی نوحؑ

آپؑ نے یہ باتیں عقائد و تعلیمات کی کشتیوں میں جس طرح سجا کر پیش کی ہیں اس کا ایک اندازِ حسن آپؑ کی تصنیف "کشتی نوح" میں دیکھئے۔ یہ کتاب صفاتی طور پر آپ کی ہم نام ہے۔ آپؑ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح فرمایا کہ :-

انا سفینۃ نوح — میں کشتی نوح ہوں۔

یعنی ع

واللہ سچو کشتی نوحم زکردگار (مسیح موعودؑ)

بخدا میں خدا کی طرف سے کشتی نوح بن کر آیا ہوں۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ کتاب لکھ کر آپ دعوتِ ظاہری و باطنی کے فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ آپؑ اس کتاب میں فرماتے ہیں :-

"عقیدے کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اور بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں۔ جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود (ناطق صابع) میں چاہا۔" (کشتی نوح ص۱۵)

یہی مضمون آپؑ اسی کتاب میں ایک اور ولولہ انگیز انداز میں لکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

"اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ تم قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۳)

تعلیمات

اب اسی کتاب سے آپ کی تعلیمات کا وہ حصہ پڑھیئے جو انسان کو فرشتہ بنانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"دیکھو میں یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ اور دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے، قمار بازی سے، بدنظری سے اور خیانت سے اور رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نماز پنجگانہ کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت

میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقعہ مسیح موعود اور مہدی معہود نہیں مانتا میری جماعت میں سے نہیں ہے"۔
(کشتی نوح صلا)

شرائطِ بیعت اس جگہ پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ وہ دس شرائط بیعت بھی نقل کر دوں جن پر عمل نہ کرنے والوں کو آپؑ نے اپنی جماعت میں شمار نہیں کیا اور جو جماعت احمدیہ میں اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان شرائطِ بیعت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام "عقیدۂ تعطیلِ شریعت" سے کتنے بیزار ہیں۔ آپؑ بعوثِ ظاہری و باطنی کے صدر ہیں لیکن شریعت کے ان دونوں پہلوؤں پر عمل کرنا واجباتِ دین میں قرار دیتے ہیں۔ وہ دس شرائطِ بیعت یہ ہیں :-

واضح ہو کہ یہی وہ شرائط ہیں جنہیں تسلیم کرنے کے بعد کوئی شخص جماعت احمدیہ میں داخل ہو سکتا ہے۔

پہلی شرط "بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرلیوے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جاوے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوسری شرط یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

تیسری شرط یہ کہ بلاناغہ پنج وقت نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

چوتھی شرط یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے۔ نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پانچویں شرط ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہرحالت راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے مُنہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

چھٹی شرط یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی

حکومت کو بکلی اپنے اُوپر قبول کرے گا اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ساتویں شرط یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

آٹھویں شرط یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر عزیز سے عزیز تر سمجھے گا۔

نویں شرط یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔

دسویں شرط یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوت محض للہ باقرارِ طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا مرگ قائم رہے گا اور اس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور رناطوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں نہ پائی جاتی ہو۔"

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے ۱۸۸۹ء میں ان شرائط بیعت کا اعلان فرمایا۔ یہ قصرِ احمدیت میں داخل ہونے کے دس دروازے ہیں یا دعوت کی دس حدود۔ ان حدود پر عمل کر کے دعوت ظاہری و باطنی کا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

غرض وہ نقطہ جہاں آکر فرقۂ اسماعیلیہ اور جماعت احمدیہ کے مقاصد میں بالکل اختلاف ہو جاتا ہے وہ یہی "تعطیل شریعتِ محمدیہ" کا مسئلہ ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک ناطق سادس کے بعد ناطق سابع کے ظہور کا مقصد تکمیلِ اشاعتِ اسلام ہے نہ تعطیلِ شریعت۔

مسئلۂ علم و عمل اس جگہ ایک ایسا نکتہ بھی ہے جس پر روشنی ڈالنا ضروری ہے اور وہ ہے "مسئلہ علم و عمل"۔ اسماعیلی مفکر کہتے ہیں کہ دورِ کشف دورِ علم ہوتا ہے اس لئے اس دور میں شرائع عبادات کی ضرورت نہیں۔ دورِ کشف ایک مثالی دور ہوتا ہے۔ لوگ اخلاق و نیکی میں اسی کی تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اسماعیلی مفکروں کے سامنے ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ وہ جو علوم عقلی و نقلی کے ماہر ہوتے ہیں انہیں اعمال و عبادات کی کوئی حاجت نہیں۔ ان کے نزدیک دورِ ستر مثالی دور تو نہیں مگر کچھ ایسے مثالی اکابر اس دور میں بھی رہتے ہیں جیسے ائمہ کرام وغیرہ جو شریعت کے مکلف نہیں ہوتے اسی لئے رہ رہ کے اُن کے سامنے "تعطیلِ شریعت" کا مسئلہ اُبھرتا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں علم دین اور اس کے متعلقات کے بہت سے فضائل آئے

ہیں۔ فقہاء اہل سنّت والجماعت بھی بعض اوقات نوافل پر تحصیلِ علم کو ترجیح دیتے ہیں۔ عبادت کا وہ طریقہ جو انسان کو علوم سے بے خبر کر دیتا ہے اسے ہم بھی ناپسند کرتے ہیں۔

ہمارے امام ہمام سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے امام الزمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے صاف فرمایا ہے کہ:-

"سو امام الزمان کو مخالفوں اور عام سائلوں کے مقابل پر اس قدر الہام کی ضرورت نہیں جس قدر علمی قوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ شریعت پر ہر ایک قسم کے اعتراضات کرنے والے ہوتے ہیں۔ طبابت کے رُو سے بھی، ہیئت کے رُو سے بھی، طبعی کے رُو سے بھی، جغرافیہ کے رُو سے بھی اور کتب مسلّمہ اسلام کے رُو سے بھی اور عقلی بناء پر بھی اور نقلی بناء پر بھی۔ اور امام الزمان حامی بیضۂ اسلام کہلاتا ہے اور اس باغ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے باغبان ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اس پر فرض ہوتا ہے کہ ہر ایک اعتراض کو دُور کرے اور ہر ایک معترض کا مُنہ بند کر دے۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہوتا ہے کہ نہ صرف اعتراضات دُور کرے بلکہ اسلام کی خوبی اور خوبصورتی بھی دنیا پر ظاہر کر دے۔" (ضرورۃ الامام صفحہ ۱۶)

جہادِ کبیر

تمام اہل سنّت والجماعت خصوصاً جماعت احمدیہ کے نزدیک یہ جہادِ کبیر ہے اور یقیناً اس علم اور خدمتِ اسلام کو بہت سی عبادات پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی لئے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو مخاطب کر کے خدا نے فرمایا کہ:-

"تیری نمازوں سے تیرے کام افضل ہیں۔" (تذکرہ۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۸۰۲)

اور یہ ظاہر ہے کہ عمل صالح اس کا نام نہیں کہ دشمن اسلام، اسلام پر حرف گیری کر کے اسلام کے خلاف ایک فضا تیار کر رہا ہو اور مدعیانِ صلاح و تقویٰ گنبدِ عبادت میں بیٹھ کر نفی و اثبات کی ضرب لگا رہے ہوں۔ بلکہ عمل صالح اس کا نام ہے کہ قلم کے وقت قلم سے اور علم کے وقت علم کی قوت سے کام لیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود انسان کبھی شرائع الہیہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چونکہ شریعت علم اور عمل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ ایسا تعلق ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ علم عمل کا تقاضا کرتا ہے اور عمل علم کا۔ لہذا ہر زمانہ میں شریعت کا وجود ضروری ہے یعنی علم اور عمل کا۔ یاد رہے بات ہے کہ اس سے ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔

اخلاقی ضابطہ

پھر ایک سوال اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر شریعت اخلاق، انسانیت اور روحانیات کی تعلیم دیتی ہے تو اس کی تعطیل کے کیا معنے؟ میرا خیال ہے کہ اسماعیلی مفکر بھی کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آتا ہے جب انسان کو ان اوصافِ حسنہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

نصب العین

مسئلہ تعطیلِ شریعت پر ایک اور نقطۂ نظر سے غور کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انسان اس مقامِ انسانیت پر آجائے کہ اخلاق اور روحانیت کا چشمہ خود اس کے دل سے پھوٹے۔ اس کو نہ کسی خارجی تعلیم کی ضرورت ہو نہ اخلاقی ضابطہ کی۔ اس صورت میں یہ ایک نصب العین ہوگا اور ایسا ہی ہوگا جیسے اس زمانے میں ایک ایسے اسٹیٹ کا تصور پیش کیا جاتا ہے جس میں پولیس ہو نہ فوج، لوگ خود بخود پابندِ قانون ہو جائیں اور ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن جائے۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک نیک تمنا ہے یا پاکیزہ نصب العین، واقعہ یہ ہے کہ جو قوم ایسے مثالی اسٹیٹ کی حامی ہے سب سے زیادہ اسی قوم کو پولیس اور افواج کی ضرورت پیش آرہی ہے۔

بالکل یہی مثال مذہبی دنیا کی بھی ہے۔ آج جو لوگ "نظریۂ تعطیلِ شریعت" پر زور دیتے ہیں سب سے زیادہ انہی کے ہاں شریعت کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ خوجوں کے رہنما پرنس کریم کی جب کراچی اور بمبئی میں تاجپوشی ہوئی تو ایک عالم نے دیکھا کہ یہ مذہبی رہنما نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے کراچی اور بمبئی کی جامع مسجد آئے۔ حالانکہ اسماعیلیوں میں خوجے اور قرامطی تعطیلِ شریعت کے قائل ہیں اور فلسفۂ اباحت پر ان کا اعتقاد ہے۔

ضرورت الامام

مَیں نے "فلسفۂ امامت" کے اس حصہ کا یہ عنوان ایک خاص مقصد کے تحت قائم کیا ہے۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی نادر تصانیف میں سے ایک کا نام یہی ہے جو اس حصہ کا عنوان ہے یعنی "ضرورۃ الامام"۔ اس لئے یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوئی کہ تفسیرِ امامت اور آپ کے منصب و دعوت کی حقیقت آپ ہی کی زبانی سُنی جائے۔

۱۔ سب سے اہم سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم جس وجود کو امام الزمان، مہدی موعود، اور ناطق سابع کے طور پر پیش کرتے ہیں کیا انہوں نے بھی اس قسم کے دعاوی کئے ہیں؟

۲۔ اگر وہ مدعیٔ امامت ہیں تو اُن کے نزدیک امامت کی تعریف کیا ہے؟

ہم اِن دونوں سوالوں کا آپ کی اسی تصنیف میں جواب ڈھونڈتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

امام الزمان کس کو کہتے ہیں؟

"اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں اور اس کی علامات کیا ہیں؟ اور اس کو دوسرے ملہموں اور خواب بینوں اور اہلِ کشف پر ترجیح کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ

متولی ہو کر اس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کے معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کرکے ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پاکر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اس کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانے میں آئی ہے اس لئے اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر محمدی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔" (صفحہ ۱۰۱)

"یہ بات بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ کا ہاتھ امام بناتا ہے۔ اس کی فطرت میں ہی امامت کی قوت رکھی جاتی ہے۔ اور جس طرح الٰہی صنعت نے بموجب آیۂ کریمہ اعطیٰ کل شیء خلقہ ہر ایک چرند اور پرند میں پہلے سے ہی قوت رکھ دی جاتی ہے جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ اس قوت سے اس کو کام لینا پڑے گا۔ اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ ہے کہ ان سے امامت کا کام لیا جائے گا منصب امامت کے مناسب حال کئی روحانی ملکے پہلے سے رکھے جاتے ہیں۔ اور جن لیاقتوں کی آئندہ ضرورت پڑے گی ان تمام لیاقتوں کا بیج ان کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اماموں میں بنی نوع کے فائدے اور فیض رسانی کے لئے مندرجہ ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔" (صفحہ ۱۲۰)

اوّل۔ قوتِ اخلاق۔ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں اور سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے تا ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو۔ اور لوگ ان کے فیض سے محروم نہ رہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ (صفحہ ۱۲۱)

دوم۔ قوتِ امامت ہے جس کی وجہ سے ان کا نام امام رکھا گیا ہے۔ یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبتِ الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق یعنی روح اس کی کسی نقصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالتِ ناقصہ پر راضی نہ ہو اور اس بات سے اس کو درد پہنچے اور دکھ میں پڑے کہ وہ ترقی سے رُوکا جائے۔ اور یہ ایک فطرتی قوت ہے جو امام میں ہوتی ہے۔ اور اگر یہ اتفاق بھی پیش نہ آوے کہ لوگ اس کے علوم اور معارف کی پیروی کریں اور اس کے نور کے پیچھے چلیں تب بھی وہ بلحاظ اپنی فطرتی قوت کے امام ہے۔

امامت قوتِ پیشروی

غرض یہ دقیقۂ معرفت یاد رکھنے کے لائق ہے کہ امامت ایک قوت ہے کہ اس شخص کے جوہرِ فطرت میں رکھی جاتی ہے کہ جو اس کام کے لئے

ارادۂ الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اگر امامت کے لفظ کا ترجمہ کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قوتِ پیشروی۔ غرض یہ کوئی عارضی منصب نہیں جو پیچھے سے لگ جاتا ہے بلکہ جس طرح دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے اس طرح یہ آگے بڑھنے اور الٰہی امور میں سب سے اوّل درجہ پر رہنے کی قوت ہے اور انہیں معنوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔ (ص۱۳)

تیسری قوت ——— بسطت فی العلم

چوتھی قوت ——— عزم

پانچویں قوت ——— اقبال علی اللہ ہے جو امام الزمان کے لئے ضروری ہے اور اقبال علی اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت اور نیز اس وقت کہ جب دشمن سے مقابلہ آپڑے اور کسی نشان کا مطالبہ ہو اور یا کسی فتح کی ضرورت ہو اور یا کسی کی ہمدردی واجبات سے ہو خدا تعالےٰ کی طرف جھکتے ہیں اور پھر ایسے جھکتے ہیں کہ ان کے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لاینفک سے بھری ہوئی دعاؤں سے ملاء اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے اور ان کی محویت کے تضرعات سے آسمانوں میں ایک دردناک غلغلہ پیدا ہو کر ملائک میں اضطراب ڈالتا ہے۔ پھر جس طرح شدت کی گرمی کے بعد برسات کی ابتداء میں آسمان پر بادل نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح ان کے اقبال علی اللہ کی حرارت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سخت توجہ کی گرمی آسمان پر کچھ بنانا شروع کر دیتی ہے اور تقدیریں بدلتی ہیں اور الٰہی ارادے اور رنگ پکڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ قضا وقدر کی ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں اور جس طرح تپ کا مادہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا ہوتا ہے اور مسہل کی دوا بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی اس مادے کو باہر نکالتی ہے۔ ایسا ہی مردانِ خدا کے اقبال علی اللہ کی تاثیر ہوتی ہے ؎

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ❊ فانی است و دستِ او دستِ خداست (ص۳۰)

چھٹی قوت۔ کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے جو امام الزمان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات خدا تعالےٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے اور اس کے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔ (ص۳۱)

منقولہ بالا تحریر سے مسئلہ امامت اور منصب امامت دونوں پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ تعریف جیسی جامع و مانع ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کا نتیجہ فکر ہے جو اس کوچہ کی راہ و رسم سے اچھی طرح واقف ہے۔

امام الزمان کون ہیں

اب میں اسی کتاب سے اس موضوع کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں جس میں آپ نے امام الزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدث، مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے، وہ گو ولی ہوں یا ابدال ہوں امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔

اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانے میں امام الزمان کون ہے؟ جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور ملہموں کو کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ

امام الزمان میں ہوں

اور مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں اور تمام شرطیں جمع کی ہیں۔" (صنا)

امام الزمان ہونے کا ثبوت

"اگر یہ سوال ہو کہ تمہارے حَکَم (امام الزمان) ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جس زمانے کے لئے حَکَم آنا چاہیئے تھا وہ زمانہ موجود ہے۔ اور جس قوم کی صلیبی غلطیوں کی حَکَم (امام الزمان) نے اصلاح کرنی تھی وہ قوم موجود ہے اور جن نشانوں نے اس حَکَم (امام الزمان) پر گواہی دینی تھی۔ نشان ظہور میں آچکے ہیں اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے زمین نشان ظاہر کر رہی ہے اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔" (صـ۳۳)

آگے فرماتے ہیں :-

"اور بہت سے نشان مجھ سے ظاہر ہوئے جس کے صدہا ہندو اور مسلمان گواہ ہیں۔ جن کو میں نے ذکر نہیں کیا۔ ان تمام وجوہ سے میں امام الزمان ہوں اور خدا میری تائید میں ہے اور وہ میرے لئے ایک تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائے گا۔" (صـ۴۴)

فلسفۂ امامت کی یہ تفصیل اور مدعیٔ امامت کے دعاوی و دلائل سننے کے بعد اب مزید بحث و حجت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اب ضرورت ان پر ایمان لانے کی ہے۔ وہ دعوت ظاہری و باطنی کی مسند صدارت سے

جو یہ ندا دیتے ہیں کہ ؎

قوم کے لوگو ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب ÷ وادیٔ ظلمت میں کیوں بیٹھے ہو تم لیل و نہار

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر ÷ میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

اسے گوشِ ہوش سے سُننے کی ضرورت ہے۔

امام الزمان کی پیشگوئی

امام الزمان کی آمد اسلام میں فصلِ بہار کی آمد ہے۔ چمن اسلام کی تازگی و شگفتگی اب آپ ہی کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ آپ کا پیغام ہی اب پیغامِ اسلام کہلائیگا۔ اس حقیقت کا آپ نے بڑے ہی پُر شوکت انداز میں اظہار کیا ہے۔ میں اس جگہ آپ کے وہ الفاظ نقل کرتا ہوں تا آپ کی عظمت و بزرگی کا اظہار ہو اور معلوم ہو کہ امام الزمان کس عظیم انقلاب کی داغ بیل ڈالنے آئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کے رُو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴)

یہ امام الزمان علیہ السلام کی پیشگوئی ہے اور ہمارے اس شاندار مستقبل کی منظر کشی جس کی طرف ہمارا نصب العین ہم کو لے جارہا ہے۔ بس اب ہم سبھوں کو اسی راستے پر رواں دواں ہو جانا چاہیئے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

سمیع اللہ

انچارج احمدیہ مسلم مشن

بمبئی

نوٹ :- اس خاص نمبر کی کچھ زائد کاپیاں طبع کرائی گئی ہیں۔ ضرورت مند احباب سوا روپیہ فی کاپی کے حساب سے طلب فرمائیں۔

مینیجر الفرقان، ربوہ

ایڈیٹر کی ڈاک

(۱) خواب کی بنا پر الفرقان کا خریدار ہوا ہوں

مکرم فضل الدین صاحب لدھیانوی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ملیانوالہ ضلع سیالکوٹ لکھتے ہیں :-

"آپ کی چٹھی ۱۳۹ وصول ہوئی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ میں ایک خواب کی بنا پر الفرقان کا خریدار بنا ہوں۔ الفرقان ایک نعمت ہے۔ الفرقان کے پڑھنے سے تازگی ایمان اور دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔"

(۲) الفرقان کو دوسرے لوگ بھی بہت پسند کرتے ہیں :-

جناب ماسٹر فضل الدین صاحب طارق کنری ضلع تھرپارکر لکھتے ہیں :-

"ماہ ستمبر کا رسالہ الفرقان نہیں آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے راستہ میں کسی کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس زائد کاپی ہو تو ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ الفرقان بہت مقبول رسالہ ہے یہاں دوسرے احباب بھی لیکر پڑھتے اور بہت پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"

(۳) الفرقان کے عالمانہ مضامین پر اظہارِ خوشی

جناب محمد یوسف صاحب قمر بن باجوہ ضلع سیالکوٹ رقمطراز ہیں :-

"رسالہ الفرقان جنوری ۱۹۶۱ء میری آنکھوں سے گزرا۔ اس کے دلکش اور تحقیقی مضامین اور اس کی ضخامت، عیسائیوں اور بابیوں کی تردید میں عالمانہ مضامین پر دل بہت خوش ہوا اور یہ شوق پیدا ہوا کہ یہ رسالہ میرے گھر میں بھی آنا چاہیئے۔ لہٰذا مبارکباد پیش کرتے ہوئے درخواست ہے کہ رسالہ میرے نام وی پی کر دیں۔ شکریہ۔"

(۴) حج کے متعلق ایک مبارک خواب

جناب ملک عزیز احمد صاحب کراچی سے تحریر فرماتے ہیں :-

" محترمی و مکرمی مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آج دوپہر کو بعد کھانا کچھ غنودگی ہو گئی۔ رؤیا میں دیکھا کہ دو دیہاتی جماعتوں کی طرف سے آپ کو حج پر بھیجنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ ان جماعتوں کا نام تو مجھے یاد نہیں رہا البتہ ایک سید والا جماعت ہے جو غالباً "گوجرانوالہ ضلع یا شیخوپورہ ضلع کی ہے۔ اور پھر آپ کے نام کے ساتھ سید کا لفظ ہے۔ رؤیا میں میں کہتا ہوں کہ مولانا قومیت کے لحاظ سے گو سید نہیں البتہ چونکہ قوم میں ان کا وقار اور عزت ضرور ہے اسلئے سید کہلانے کے ضرور مستحق ہیں۔ میرا ایمان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو حج ایسی مبارک عبادت کی ضرور توفیق عطا فرمائے گا اور حج بدل کی صورت ہیں۔

الحمد للہ میری صحت پہلے سے زیادہ بہتر ہے تاہم دعاؤں کا محتاج ضرور ہوں۔ والسلام

خاکسار ملک عزیز احمد کراچی نمبر ۴"

الفرقان ۔ حج کی سعادت حاصل ہونے کی تمنا تو مدتوں سے ہے مگر ہر کام کے لئے اذن الٰہی سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس سال میں نے حکومت پاکستان سے اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست بھی کی تھی۔ اس نیک کام کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ نے اعانت فرمانے کا عملی ثبوت بھی مہیا فرمایا تھا مگر افسوس کہ اس سال حکومت کے قرعہ میں میرا نام نہیں آسکا۔ محترمی ملک عزیز احمد صاحب پرانے بزرگ ہیں۔ اللہ کرے کہ ان کا یہ رؤیا اسی طرح پورا ہو کہ اس نابکار کو زیارت حرمین شریفین نصیب ہو جائے۔ اللّٰھم آمین ۔ خاکسار ابو العطاء جالندھری ۲۸/۵/۶۱

ضروری اعلانات

۱۔ معذرت "فلسفۂ امامت نمبر" کے بارے
میں ماہ اپریل کے رسالہ الفرقان میں اعلان نہ کیا جا سکا کہ ماہِ مئی و جون کا رسالہ اکٹھا شائع ہوگا۔ اگرچہ الفضل میں اعلان ہو گیا تھا مگر پھر بھی بہت سے احباب کے خطوط موصول ہو رہے ہیں کہ ماہ مئی کا رسالہ نہیں ملا۔ ایسے جملہ خریدار احباب کی خدمت میں اس کوتاہی کیلئے معذرت پیش ہے۔ اب نمبر آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ اس قیمتی مقالہ میں آپ بہت سی نئی باتیں پائیں گے۔

۲۔ حضرت میر محمد اسحاق نمبر۔
الفرقان بہت جلد استاذنا المحترم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔ بعض احباب کے مقالہ جات پہنچ گئے ہیں جزاھم اللہ خیراً۔ دوسرے اصحابِ قلم بھی جلد توجہ فرمائیں۔

۳۔ دُعا۔ رسالہ الفرقان کے دس سالہ مستقل خریداروں کے لئے احباب سے درخواستِ دعا ہے۔ میں بھی ان کے لئے دعا گو ہوں۔ اس نمبر میں گنجائش نہ ہونے کے باعث ان کے نام شائع نہیں ہو سکے۔ امید کہ وہ معاف فرمائیں گے۔ آئندہ نمبر سے پھر یہ سلسلہ تحریک دعا جاری رہیگا۔ بعض دوست دریافت کرتے ہیں کہ آیا اب بھی دس سالہ چندہ ادا کر کے اس فہرست میں شمولیت ہو سکتی ہے؟ سو ایسے احباب کے علم کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ دس سال کا چندہ مبلغ ساٹھ روپے پیشگی ادا کر کے فی الحال اس فہرست میں شامل ہونا ممکن ہے۔ غالباً یہ صورت صرف آخر ستمبر ۱۹۶۱ء تک ہی جاری رہ سکے گی۔

(۴)
بھارت کے خریدار اصحاب اپنے ذمہ کی رقوم برادرم میاں عبدالرحیم صاحب دیانت درویش قادیان۔ ضلع گورداسپور کے نام ارسال فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں۔!

۵۔ ہزار لائبریریوں کی فہرست۔ پاکستان اور بھارت کی جن لائبریریوں میں اردو رسائل پڑھے جاتے ہیں ان کی فہرست تبلیغی اغراض کے ماتحت مرتب ہو رہی ہے ابھی یہ فہرست مکمل نہیں ہوئی۔ آپ بھی اپنے علاقہ کی لائبریریوں کے نام بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ ساتھ ہی ساتھ مخیر احباب اپنی اپنی طرف سے ایک یا ایک سے زیادہ لائبریریوں میں الفرقان جاری کروا کر ثواب حاصل کر رہے ہیں۔ کیا آپ بھی اس میں شمولیت فرما سکیں گے؟

۶۔ بقایا داران اپنے ذمہ کے بقایا چندہ الفرقان جلد ارسال فرما کر ادارہ سے تعاون فرمائیں۔

مینیجر الفرقان
ربوہ

(طابع و ناشر:۔ ابو العطاء جالندھری ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت:۔ دفتر الفرقان ربوہ)

یہ قیمتی کتب ـــــ جلد خرید لیجئے

۱- تفسیر صغیر - سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے قرآن مجید کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اور جہاں جہاں شرح کی ضرورت تھی مختصر شرح کی ہے - قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے -
ہدیہ ایک جلد میں ۱۸ روپے اور دو جلدوں میں ۲۰ روپے

۲- بخاری شریف جزء سوم - بخاری شریف کا ترجمہ اور شرح مکرم ومحترم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کر رہے ہیں - پہلے دو جزء قادیان میں طبع ہوئے تھے اب تیسرا جزء ادارۃ المصنفین نے شائع کیا ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ ہے - مجلد قیمت ۳ روپے

۳- تاریخ احمدیت حصہ اول و دوم - سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کے واقعات و حالات سے ہر احمدی کا واقف ہونا ضروری ہے - اس غرض کے لئے تاریخ احمدیت لکھی گئی - اس وقت دو جلدیں طبع ہوئی ہیں - جلد اول کی قیمت ۴ روپے اور جلد دوم کی قیمت ۵ روپے ہے - کتاب کو قیمتی تصاویر سے مزین کیا گیا اور ہر دو کتب مجلد ہیں
قیمت جلد اول ۴ روپے ـــ اور جزء دوم ۵ روپے

۴- المبشرات - سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پورے ہونے والے الہامات و کشوف کا مجموعہ - خود بھی زیادتی ایمان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے - اور غیر از جماعت دوستوں کو بھی بطور تحفہ دینے کے قابل ہے قیمت مجلد ۵ روپے

۵- ھدایۃ المقتصد - نکاح و طلاق وغیرہ کے وہ مسائل جن کا جاننا ہر مرد و عورت کے لئے ضروری ہے شائع کئے گئے ہیں بدایۃ المجتھد جو فقہ کی بہت مشہور اور مستند کتاب ہے - اس کے ایک حصہ کا قیمتی ترجمہ اردو میں مع قیمتی نوٹوں کے کیا گیا ہے - قیمت مجلد ۴ روپے
یہ سب کتب جملہ دوکانداروں سے مل سکینگی - ان کو خریدئے وگرنہ پھر لمبا انتظار کرنا پڑیگا -

ادارۃ المصنفین - ربوہ - ضلع جھنگ

ماہنامہ الفرقان کی متعلق دو قیمتی ارشادات

۱۔ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کا ارشاد :۔

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس، چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہئیے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہئیے" (الفضل ۵ جنوری ۵۹ء)

۲۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:۔

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابل قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو ۔ کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں ۔ اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے ۔ ایک طرح سے رسالہ اس غرض و غایت کو پورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مد نظر رسالہ ریویوآف ریلیجنزاردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ‌اللہ‌تعالیٰ‌بنصرہ‌العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے ۔ کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے ۔ پس مخیر اور مستطیع احمدی احباب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سےزیادہ‌تعداد میں خود خریدنا چاہئے بلکہ اپنی‌طرف سے نیک دل اور سچائی‌کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہئیے تا اس رسالہ کی غرض‌وغایت بصورت احسن پوری ہو ۔ اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پوری شان کے ساتھ ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کرے ۔

فقط و السلام خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ (الفضل ۱۸ جولائی (۵۹ء)

مکتبہ الفرقان ربوہ

آپ کا اپنا مکتبہ ہے ۔ اس مکتبہ کی مطبوعات اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دیگر مطبوعات اور جملہ لٹریچر کے سلسلہ میں آپ مکتبہ الفرقان ربوہ کو یاد رکھیں ۔ ہر ممکن کوشش سے مطلوبہ کتب فراہم کی جائیں گی ۔ انشاءاللہ ۔

مینجر مکتبہ الفرقان ربوہ

بقیہ صفحہ ب

کہ اے لوگو ! تم مسیح کے آنے کا انتظار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے جس طرح پسند فرمایا اسے ظاہر کر دیا ۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو ۔ تم جب احرام کی حالت میں ہوتے ہو تو شکار کرنا جائز نہیں سمجھتے ۔ پھر اپنی آراء کو اختیار کرنا کس طرح روا جانتے ہو ۔ جبکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم موجود ہے ۔ یاد رکھو کہ حکم کا وجود ایک رحمت ہے جو مومنوں کے فائدہ کے لئے ہے اگر حکم نہ ہوتا تو یہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ۔ اب ضالین یعنی نصاریٰ کے غلبہ کے وقت امام مہدی کا ظہور ہو گیا ہے اور صدیوں کے بعد اهدنا کی دعا سنی گئی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو سورہ فاتحہ اور قرآن مجید میں تھا پورا ہو گیا ہے "

مبارک ہیں وہ جو امام الزمان کو شناخت کریں ۔ اس پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات کی پیروی کریں ۔

ابوالعطاء جالندھری

ضرف ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا